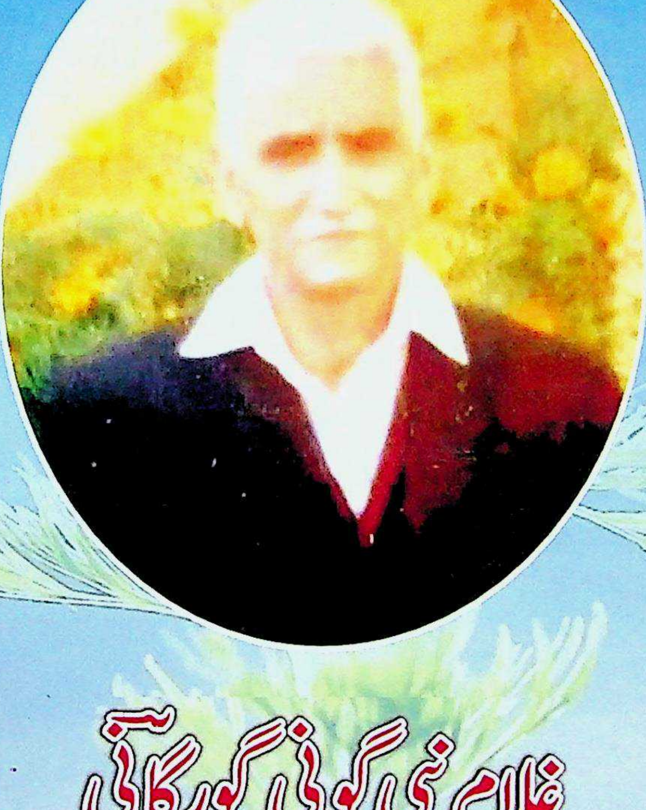
مونوگراف



غلام نبی گونی گورگانیؔ

مولف: منشورؔ بانہالی

جموں اینڈ کشمیر اکیڈیمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز

غلام نبی گونی (گورگانی)

منشور بانہالی

جموں اینڈ کشمیر اکیڈیمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز

ناشر: سیکریٹری، جموں اینڈ کشمیر اکیڈیمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز

کمپیوٹر کمپوزنگ : عادل اسماعیل

سرورق : امتیاز شرقی

اشاعت : ۲۰۲۰ء

قیمت : ۱۰۰/ روپے

''مونوگراف'' میں جو مضامین اور تخلیقات شامل ہیں اُن میں ظاہر کی گئی آراء سے اکیڈیمی کا کلاً یا جزواً اتفاق ضروری نہیں۔

(ادارہ)

☆......خط وکتابت کا پتہ:

محمد سلیم سالک

مدیر ''شیرازہ'' اُردو

جموں اینڈ کشمیر اکیڈیمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز

لال منڈی، سرینگر، کشمیر۔ 190008

ای میل: salimsalik2012@gmail.com

فون نمبرات: 9419072288 - 9419711330

فہرست

حرفِ آغاز

کلچرل اکیڈیمی کی آئینی ذمہ داریوں میں یہ بات خصوصیت کے ساتھ درج ہے کہ جموں وکشمیر سے تعلق رکھنے والی اَدبی اور ثقافتی شخصیات پر مونوگراف لکھوائے جائیں جن پر کسی وجہ سے زیادہ کام نہیں ہوا ہے تاکہ اِن شخصیات کی حیات اور اُن کی خدمات کا اجمالی خاکہ پیش کیا جائے۔ یہ ایک طویل کتابی سلسلہ ہے اور اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی کے طور پر آج ہم جموں وکشمیر کے ایک معروف اُردو شاعر، ادیب، قانون دان اور دانشور غلام نبی گورگانی پر یہ مونوگراف آپ کے ہاتھوں میں دیتے ہوئے مسرت کے احساس سے سرشار ہیں۔

غلام نبی گونی گورگانی وادیٔ چناب کے ایک مُردم خیز علاقے بھدرواہ سے تعلق رکھتے تھے جہاں سے عبدالقدوس رساجاودانی، اسعد بھدرواہی، وفا بھدرواہی، تنویر بھدرواہی، رند بھدرواہی، زائر بھدرواہی، ساغر صحرائی، آس بھدرواہی، شہاب عنایت ملک، دیوانہ بھدرواہی اور اس قبیل کی دیگر شخصیات نے مختلف زبانوں کے ادبی منظرنامے پر گہرے اور اَن مٹ نقوش رقم کئے ہیں۔ گورگانی زندگی کی بے پناہ آزمائشوں سے مردانہ وار لڑتے ہوئے اور محنتِ شاقہ کے کڑے کوس طے کر کے ایک ہمہ رُخی شخصیت کے سانچے میں ڈھل گئے۔ اگرچہ آپ وکالت کے پیشے سے تعلق رکھتے تھے اور اس میدان کے کامیاب شہسوار تھے لیکن اس کے باوجود فطری لگاؤ کے جذبے کے تحت اُنھوں نے لیلائے سخن کے گیسو سنوارے اور خوب سنوارے، یہاں تک کہ اُن کا شمار ریاست کے مایہ ناز اُردو شعراء میں ہوتا ہے۔ بقولِ گورگانی ؎

جس اِنسان نے ہمت کر کے عقل سے باہر دیکھا ۔۔۔ اُس نے اوّل سے آخر تک سارا منظر دیکھا

گونی کو قانون اور تاریخ کے ساتھ ساتھ مذہبیات اور فلسفہ کا بھی بھرپور مطالعہ تھا۔ شاعرِ مشرق علامہ اقبالؔ سے بے پناہ متاثر تھے اور آپ کے کلام پر جابجا علامہ اقبالؔ کی چھاپ نمایاں طور نظر آتی ہے۔ آپ شاعری کو محض تفریح کا ذریعہ نہیں سمجھتے بلکہ اِسے اصلاحِ معاشرہ اور فلاحِ ملّت کے لئے بروئے کار

لانے کی خاطر کوشاں نظر آتے ہیں۔

بڑھ جاتی ہے اِنسان میں جب حد سے خباثت　　　رہ جاتا ہے ابلیس فقط نام کا شیطان

اخلاقی بیداری، سماجی اصلاح، رواداری اور ظلم و بربریت کے خلاف ناپسندیدگی آپ کی شاعری کے خاص موضوعات ہیں۔ نئی نسل کو اپنی شاندار روایات سے باخبر رکھنا چاہتے ہیں اور عصری علوم، اخلاقی پاسداری اور روحانی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کرتے ہیں۔

آرزو کیجئے دُعا کی طرح　　　جستجو جذبۂ انا کی طرح

فکرِ اعلانِ صبح نادیدہ　　　نغمہ و نکہت و صبا کی طرح

بہرکیف، حق تو یہ ہے کہ گونی گورگانی پر جتنا کام اَب تک ہو جانا چاہیئے تھا وہ ابھی تک نہیں ہوسکا ہے۔ اُمید ہے کہ زیرِنظر مونوگراف کی اِشاعت سے اِس کمی کو کسی حد تک پورا کیا جاسکے گا اور اصحابِ فکرودانش اس سلسلے کو آگے بڑھانے کی سعی کریں گے۔

راقم السطور کو اچھی طرح یاد ہے کہ آج سے قریب ڈیڑھ دہائی قبل ابھینو تھیٹر، جموں میں گورگانی میموریل ٹرسٹ کے اہتمام سے ایک شاندار تقریب کا اہتمام کیا گیا جس میں اعلان کیا گیا تھا کہ گونی گورگانی کی نگارشات اور غیر مطبوعہ کلام کی شیرازہ بندی کر کے اِسے زیورِ طباعت سے آراستہ کیا جائے گا لیکن اُس کے بعد ٹرسٹ کی سرگرمیوں کی بابت کوئی اطلاع نہیں ملی۔ شاید اُن کی عدیم الفرصتی کی وجہ سے؟

اِس پُرمسرت ساعت پر مونوگراف کے فاضل مرتّب، منشور بانہالی اور اکیڈیمی کے اُردو سیکشن کے اَراکین عزیزی محمد سلیم سالک، سلیم ساغر اور محمد اقبال لون کو اس پروجیکٹ کی کامیاب تکمیل پر مبارکباد پیش کی جاتی ہے اور قارئین محترم سے گزارش ہے کہ وہ زیرِنظر موٗقر اشاعت کے بارے میں اپنی آرا سے نوازیں۔

ہر صاحبِ جنوں کا ترانہ ہے میرا حرف　　　ہر صاحبِ خرد کی بغل میں میری کتاب

(گورگانی)

سرینگر: ۱۵؍جولائی ۲۰۲۰ء　　　☆......محمد اشرف ٹاک

چیف ایڈیٹر

پیش لفظ

خواجہ غلام نبی گوؔنی مُتخلص بہ گونی گورگانی ایک باوقار، شائستہ فکر، ذہین و متین اور وضعدار شخصیت کے مالک رہے ہیں۔ آپ وادیٔ چناب کے ایک معتبر و مقتدر سخنور ہیں جنھیں اُردو اور انگریزی کے علاوہ فارسی زبان پر بھی سند کی حد تک عبور حاصل تھا۔ آپ کی خداداد صلاحیتوں کا احاطہ کرنا آسان نہیں ہے۔ ایک فاضل اور نامور ماہرِ قانون ہونے کے ساتھ ساتھ آپ ایک وسیع المطالعہ شخصیت ہیں، جنھیں فلسفہ، تاریخ، دینیات، اقتصادیات، سماجیات، سیاسیات اور ادب کا گہرا مطالعہ تھا۔

گونی کشمیر کی تہذیب و شائستگی، باہمی رواداری اور گرانقدر علمی توارث کے دلدادہ ہیں۔ کشمیر اور کشمیر سے جُڑے ہوئے اقتصادی، معاشی اور سیاسی حالات اور کشمیریوں کی ایامِ رفتہ کی خستہ حالی اور بے بسی جیسے موضوعات آپ کی شاعری کا محور ہیں جو آپ کے مجموعہ ہائے کلام میں جا بجا دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ہمارے معاصرین شعراء میں شاید ہی کسی شاعر کے ہاں کشمیر کے حوالے سے اس قدر دلچسپی اور جامعیت کے ساتھ سخن سرائی دیکھنے کو ملتی ہے جیسے کہ آپ کے ہاں موجود ہے۔ آپ ایک نامور ماہرِ قانون ہونے کی حیثیت سے ایک کثیر الاحباب شخصیت تھے اور اکثر قانونی مصروفیات اور مشاورت میں گھرے رہتے تھے۔ بایں ہمہ آپ مسلسل خاموشی کے ساتھ فکرِ شعر کو اپنے مافی الضمیر کا وسیلہ بناتے رہے، جو آپ کی تخلیقی توانائی، ژرف نگاہی اور ادب پروری پر دال ہے۔ آپ کی منظومات کے موضوعات اتنے متنوع الجہات ہیں جو تقریباً

یہاں کے کسی اُردو شاعر کے ہاں نظر نہیں آتے۔ آپ اپنی شعری مملکت میں ایک پامرد شہسوار کی مانند مستعد نظر آتے ہیں اور آپ کے فکری ابعاد میں ایک ٹھاٹھیں مارنے والے چناب کی سی سُبک خرامی اور گہرائی کارفرما نظر آتی ہے۔

گونی کے کلام پر علامہ اقبال کے کلام کی گہری چھاپ نظر آتی ہے۔ وہی روانی، وہی بلند آہنگی اور طنطنہ اور فکر و فلسفہ کی گہرائی کا تموج جو اقبال کے کلام کا خاصہ ہے، آپ کے کلام میں جابجا روشنی بکھیرتے ہوئے نظر آتا ہے۔ آپ کی شعر گوئی کا اسلوب روایتی سانچوں کی محتاط پاسداری کرتے ہوئے بھی فکری سرحدوں کو گرفت میں لاتے ہوئے نظر آتا ہے۔ آپ زمینی حُسن، جام و مینا اور زُلف و عارض کے عمومی موضوعات سے حذر کرتے ہوئے، بُلند اقدارِ حیات کے حصول، امنِ عالم اور انسانی مساوات و انصاف کے متمنی ہیں اور پامالیٔ حقوقِ انسانی کے خلاف ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ دینیات و احادیث کا سیر حاصل مطالعہ تھا۔ عشقِ رسالت مآب رگ و پے میں موجزن دکھائی دیتا ہے اور ملت کی غفلت شعاری آپ کو ہر وقت مضطرب کئے ہوئے دیتی ہے۔ آپ کی نظر عالمی سطح پر رونما ہونے والے، سیاسی، اقتصادی اور معاشی اُتار و چڑھاؤ پر، اور حالات و واقعات پر سنجیدگی کے ساتھ مرکوز نظر آتی ہے، جس کا اظہار آپ کے کلام میں جگہ جگہ دیکھنے کو ملتا ہے۔

گُونی مرحوم کی شانِ استغنا کا ایک اِمتیاز یہ بھی رہا ہے کہ آپ اکثر مشاعروں وغیرہ کی زینت بننے سے اپنی بے رغبتی اور لاتعلقی کا اظہار کرتے رہے اور شہرت و نمود سے کوسوں دور رہے۔ لیکن اگر کوئی صاحبِ ذوق آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتا تو اُسے اپنے کلام سے خوشی خوشی سے مستفیض فرماتے۔ آپ کی ہمہ جہت شخصیت کا پورا احاطہ کرنا اگرچہ اس مختصر تسوید میں ممکن نہیں، تاہم راقم الحروف نے اپنی کم مائیگی اور حقیر دانست کے مطابق آپ کی شخصیت کے کچھ چیدہ چیدہ پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی سعی کی ہے تاکہ قارئین کو آپ کی بُلند قامت شخصیت کا قدرے اندازہ ہو سکے۔

یہ بات باعث تاسف ہے کہ ریاست کے اس بُلند قامت دانشور، سخنور پر بہت کم لوگوں نے قلم اُٹھایا ہے، جو ہماری غفلت شعاری کے مترادف ہے۔ راقم الحروف کلچرل اکیڈیمی کے ارباب اقدار کا تہہِ دل سے شُکر گزار ہے جنہوں نے میری اس استدعا اور تجویز کو قابلِ اعتنا سمجھ کر مجھے ریاست کے اس قد آور اور محبِ اُردو اور مُفکر سخنور کی شاعرانہ شخصیت اور ادبی خدمات کے حوالے سے بقدر ظرف احاطہ کرنے اور کما حقہ حق ادائی کرنے کا موقعہ فراہم کیا۔ میں مرحوم گُونی صاحب کے فرزند ارجمند محمد اسلم گُونی (سابق ایڈوکیٹ جنرل آنریبل ہائیکورٹ) کا بھی شُکر گزار ہوں جنہوں نے مجھے مرحوم قبلہ گُونی کی نجی زندگی سے متعلق کچھ ٹھوس معلومات فراہم کیں۔ مجھے اُمید ہے کہ یہ حقیر کاوش آنے والے محققین کے لئے گُونی شناسی کے حوالے سے ایک خوش آئند قدم قرار دیا جائیگا۔

منشور بانہالی

بھدرواہ

(ایک تاریخی اور ثقافتی پسِ منظر)

کشمیرِ صغیر بھدرواہ کا علاقہ وادیٔ چناب کے فلک بوس پہاڑوں کی آغوش میں ایک بہت ہی خوبصورت علاقہ ہے جس کے آس پاس گھنے جنگلات موجود ہیں۔ سطح سمندر سے تقریباً پانچ ہزار چار سوفٹ کی بُلندی پر واقع یہ علاقہ آب وہوا کے لحاظ سے وادیٔ کشمیر اور ڈلہوزی جیسے مقامات کے ساتھ مماثلت رکھتا ہے۔ چاروں جانب سدا بہنے والے شیرین اور شفاف پانی کے جھرنے اور ندیاں، مخمل نُما سر سبز چراگاہوں اور مسحور کُن فطری حُسن کے نظارے ہر خاص وعام کو دعوتِ دید پیش کرتے ہیں۔ حُسن فطرت کی اِن ہی دِلکش رعنائیوں اور معتدل آب وہوا کی بنا پر اس قطعہ ارض کو کشمیرِ صغیر یا چھوٹے کشمیر کے نام سے بھی معنون کیا جاتا ہے۔

بھدرواہ قصبہ تحصیل بھدرواہ کا صدر مقام ہے جو ضلع ڈوڈہ کے جنوب کی سمت تقریباً 24 کلومیٹر اور جموں شہر سے 200 کلومیٹر کی مسافت پر واقع ہے۔ تحصیل کی کُل آبادی 62000 نفوس پر مشتمل ہے۔ مسلمان اور ہندو دونوں فرقوں کے لوگ یہاں آباد ہیں جن کا آپسی بھائی چارہ اور میل ملاپ صدیوں سے قائم چلا آرہا ہے۔ دونوں فرقوں کی اپنی اپنی روایات ورسومات، اعتقادات وطرزِ رہن سہن ہے جو یہاں کی تہذیبی اور ثقافتی بھائی چارہ کا مظہر ہے۔

قدیم ایام میں بھدرواہ ایک خود مختار مملکت کے طور پر رہا جس میں نہ صرف بھلیسہ، مرمت اور کھسال کے علاقہ جات شامل تھے بلکہ مرمت کھسال علاقے کا کچھ عرصہ تک ایک

علاحدہ راجواڑہ کے طور پر تسلیم کیا جاتا تھا۔ راج ترنگنی میں بھدرواہ کا قدیم نام ''بھدروکاس'' بتایا گیا ہے جس کے معنی بقول ڈاکٹر پریم چند کول ''موزوں قرارگاہ یا مناسب رہنے کی جگہ'' کے ہیں اور یہ نام بقول اُن کے اُسے کشمیر کے حُکمرانوں نے دیا ہے جو گیارہویں اور بارہویں صدی تک ان پہاڑی علاقوں پر حکومت کرتے رہے۔ کشمیر کے یہ حُکمران بھدرواہ سے ہی گزرتے ہوئے پٹھانکوٹ اور دہلی جایا کرتے تھے۔ تاریخ ڈوگر دیس کے مصنف نرسنگھ داس نرگسؔ کے مطابق بھدرواہ کے راجہ بھوج کے دو بیٹے سیتارک اور رادھک تھے۔ پہلے کو بلاور کا راج تِلک اور دوسرے کو بھدرواہ کا علاقہ ملا جس نے یہاں آکر بھدرکالی کا مندر بنوایا اور پھر جب اُسے ایک بیٹا پیدا ہوا تو اس کا نام بھدرپال اور راجدھانی کا نام بھدری رکھا جو بعد میں بھدرواہ کے نام سے مشہور ہوگیا۔ یہ روایت بھی مشہور ہے کہ زمانہ قدیم میں یہ خطہ بھدردیپ، بھدردیش، بھدرکاشی اور بھدرآشرم کے ناموں سے بھی مشہور تھا لیکن اس کی وجہ تسمیہ کی بڑی وجہ بھدری کالی مندر کی نسبت سے بھدرکاہ ہے جو بعد میں بھدراکاہی اور پھر بھدرواہ ہوگیا۔ یہاں کے معروف قلم کار اور محقق پروفیسر اودھے چند کے مطابق بھدرواہ کا قدیم نام ڈونگا نگر یا اودھانگر تھا جو موجودہ قصبے سے قریباً ڈیڑھ میل کی مسافت پر سرتنگل کے متصل موجود تھا اور آفات سماوی میں سیلاب کی نذر ہوگیا جو بعد میں سیری بازار جگہ پر بسایا گیا۔

بھدرواہ کو ناگوں کا مسکن بھی بتایا گیا ہے۔ روایت کے مطابق واسک ناگ جو بنیادی طور پر وادیٔ کشمیر سے متعلق تھا اور کچھ وجوہ کی بنا پر اُسے یہاں کا رُخ کرنا پڑا تھا، یہاں کا اوّلین راجہ ہے جو راج گدی پر براجمان رہا۔ یہ کہاوت اُس زمانہ سے متعلق ہے جب ناگ پوجا کی جگہ ویشنومت کا چلن تھا۔ ڈولکا نگر اس مملکت کا صدر مقام رہا ہے جس کی تائید چمبہ کے انگریز مورخین ہچی سن اور دوگل کے ہاں بھی ملتی ہے[1]۔ اُن کے مطابق جوپ ناتھ ان راجاؤں کا مورثِ اعلیٰ رہا ہے۔

1- History of Punjab Hill States, Hichison and Duggal

یہاں کے معروف قلم کار اور محقق ڈاکٹر پریتم کرشن کول کے مطابق سترہویں صدی قبل تک یہاں سولہ یا سترہ چھوٹے بڑے سرداروں کے نام ملتے ہیں۔ بھدرواہ کے راجاؤں کا خاندان بھی بڈو کے علاقے کے راجاؤں کے خاندانوں کی طرح بلورچ کی ایک شاخ رہا ہے۔ پروفیسر اودھے چند نے لکشمی دیو سے ناگپال اوّل سے دیال پال تک سترہ راجاؤں کے نام گنائے ہیں اور بقول اُس کے ناگپال اوّل کے پوتے بھدرپال نے بھدرکا مندر تعمیر کرکے بھدراوکاس ریاست کی بنیاد ڈالی ہے۔ اس کے کافی عرصہ بعد ناگپال دوم گدی نشین ہوا جس نے شہنشاہ اکبر کے دربار میں بھی باریابی حاصل کرلی اور شہنشاہ نے اُس کی جرأت اور بے باکی دیکھ کر اُسے تحائف بھی دیئے۔ اُس کے ہمراہ کچھ مُسلم طبقے بھی یہاں آکر سکونت پذیر ہوگئے۔ دلی سے واپسی پر ناگپال دوم نے واسک مندر کی تعمیر پوری کردی اور اس میں وہ شاہی تحائف بھی رکھے جن کی آج بھی یہاں میلہ پٹ کے موقعے پر نمائش کرائی جاتی ہے۔ ناگپال دوم کے بعد کئی راجے عنانِ حکومت سنبھالتے رہے جن کا عرصہ 1620 تا 1821ء تک قائم رہا۔ آخری راجہ پہاڑ چند تھا جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے حُکم سے چمبہ کے وزیر نتھو کے ہاتھوں مغلوب ہوکر امرتسر میں فرار ہونے پر مجبور ہوا جہاں بعد میں اُن کی موت واقع ہوگئی۔ 1821 تا 1945ء تک بھدرواہ چمبہ کے راجاؤں کا باج گزار رہا اور 1845 سے 1930 تک یہ ڈوگرہ خاندان کی جاگیر کے طور پر رہا۔

یہ بھی باور کیا جاتا ہے کہ جب راجہ چمبہ نے اپنی راجکماری کو مہاراجہ گلاب سنگھ کے بھتیجے ہیرا سنگھ کے ساتھ رشتہ ازدواج میں دیا تو مملکت بھدرواہ کو اسے جہیز کے طور پر منتقل کردیا۔ لیکن جب 1944ء میں راجہ جے سنگھ کی موت واقع ہوئی تو چمبہ کے راجہ کے اس مملکت پر ترجیحی حقوق باقی رہے۔ لیکن بالآخر مہاراجہ گلاب سنگھ نے راجہ چمبہ کی پرواہ کئے بغیر اُسے اپنی مملکت جموں میں شامل کردیا اور 14 مارچ 1946ء کو بیعہ نامۂ امرتسر کے تحت بھدرواہ بھی اُسی معاہدے کی رُو سے ڈوگرہ سلطنت میں شامل ہوگیا اور اس کی آزاد حیثیت ایک بار پھر سے ختم ہوگئی۔ قلعہ بھدرواہ جو قلعہ رتن گڑھ کے نام سے مشہور ہے بھدرواہ کے قدیم راجاؤں کی یاد تازہ کرتا ہے اور یہاں کا

ایک تاریخی ورثہ ہے۔

شہمیری دور میں وادیٔ کشمیر سے یہاں مختلف اوقات میں دینی مبلغین آتے رہے اور پھر حضرت شاہ فریدالدین بغدادیؒ کی اس ضلع میں آمد سے یہاں پر اسلامی تعلیمات کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ انیسویں صدی کے اواخر میں کشمیر میں شدید قسم کی قحط سالی اور زلزلوں کے سبب بہت سے خاندانوں کے لوگ ہجرت کر کے یہاں پناہ لیتے رہے اور بعد میں یہیں پر مستمکن ہو گئے۔ 1848ء سے 1881ء تک بھدرواہ راجہ امر سنگھ کے تحت ایک سٹیٹ کے طور پر رہا اور پھر اُسے جاگیر کی حکمرانی، ترقیاتی امورات اور مالیہ وصول کرنے کے پورے اختیارات 1912ء تک اس کی موت تک حاصل رہے۔[1]

امر سنگھ نے بھدرواہ میں امر سنگھ سکول کھولا جس سے یہاں پر تعلیم وتدریس کے امکانات پیدا ہو گئے۔ اس کے بعد ایک ڈاکخانہ کھولا گیا اور ریشم کی صنعت کو بڑھاوا دینے میں بھی دلچسپی لی۔

امر سنگھ کے ہاں 1895ء میں ہری سنگھ پیدا ہوا اور 1912ء میں جب امر سنگھ انتقال کر گیا تو بھدرواہ کی جاگیر راجکمار ہری سنگھ کی تحویل میں دی گئی، جس پر اُسے 1915ء تک مکمل اختیارات تفویض کر دیئے گئے۔ کچھ عرصہ بعد 1928ء میں جب مہاراجہ پرتاپ سنگھ بھی چل بسا تو راجکمار ہری سنگھ مہاراجہ کے طور پر ریاست کی شاہی گدی پر براجمان ہوا۔

وادی کشمیر میں رونما ہونے والی ہر سیاسی اور مذہبی تحریک کا یہاں پر بھی برابر اثر پڑتا رہا۔ مذہبی لحاظ سے رشتوں کا یہ تعلق ناگ مت سے جُڑتا تھا۔ ہر چند کہ وادی میں شِومت کا بھی خاصا اثر رہا۔ حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانیؒ کے ساتھ یہاں جو سادات کرام وادی میں تشریف لائے اُن میں سے کئی بزرگوں کا گزر یہاں سے بھی ہوا ہے۔

لِسانی اعتبار سے یہ علاقہ وادیٔ چناب کے دیگر علاقوں کی طرح ایک کثیر لسانی علاقہ ہے جہاں کشمیری، ڈوگری، گوجری، بھدرواہی، بھلیسی اور کھسالی وغیرہ بولیاں بولی جاتی ہیں اور

---

[1] Himalyan Principalities in Jammu, Kangra & Bhaderwah, By: P.N. Koul

اُردو کو ایک لنگوا فرینکا یا رابطے کی زبان کی حیثیت حاصل ہے۔

بھدرواہی یہاں کے لوگوں کی مقامی بولی ہے جو بڈلاہی بھی کہلاتی ہے اور یہاں کے تہذیبی ورثے کی ایک شناخت ہے جس میں لوک ادب، اساطیری کہانیوں اور ضربُ الامثال کا اچھا سرمایہ موجود ہے۔ ماہر لسانیات ڈاکٹر سدھیشورا سے ایک اہم بولی قرار دیتے ہیں جس میں بقول آپ کے ایسے الفاظ بھی موجود ہیں جو ویدوں میں موجود ہیں۔ ٹھاکر اودھے چند کے مطابق تمام پہاڑی بولیوں میں بھدرواہی سنسکرت کے ساتھ ملتی جُلتی ہے۔ اس بولی میں اچھا خاصا تخلیقی ادب موجود ہے جسے دیوناگری اور فارسی رسم الخط میں لکھا جا سکتا ہے۔ گھمبیر چند نامی شاعر جس کو چندر بنسی خاندان کا مورث اعلیٰ بتایا جاتا ہے، اس بولی کا صاحبِ تصنیف شاعر ہے جس نے بھگوت گیتا کا منظوم ترجمہ کیا ہے جو ڈاکٹر سدھیشور شرما کے پیشِ لفظ کے ساتھ شایع ہوا ہے۔

بھدرواہ کے شعراء میں ماسٹر چونی لال، پرکاش راج، ودھیا لال در، جان محمد تشنہ اور بال کرشن چوہان جیسے منجھے ہوئے شعرا کے علاوہ اور بھی بہت سے شعرا ہیں جو اس بولی میں بہترین ادب تخلیق کر رہے ہیں۔ بھدرواہ میں ایک مشترک تہذیب اور کلچر کی روایات موجود ہیں۔ یہاں پر مختلف اوقات میں اولیائے کرام تبلیغِ دین کی خاطر آتے رہے۔ جگہ جگہ پر عالیشان مساجد کے علاوہ کئی منادر اور تیرتھ استھان بھی ہیں۔ ناگ دیوتاؤں سے منسوب کئی منادر اور چشمے بھی ہیں۔ کیلاش کنڈ اور میلہ پٹ یہاں کے مشہور تہوار ہیں۔ کوہ کیلاش، سیوج دھار اور بال پدری جیسے سیاحتی مقامات بھی ہیں۔ یہ علاقہ پوری وادیٔ چناب میں ترقی کے اعتبار سے پیش پیش رہا ہے۔ جمہوری حکومت کے قیام کے بعد 1955ء میں سب سے پہلے ڈگری کالج اور پھر ٹیچرس ٹریننگ سکول کا قیام بھدرواہ میں عمل میں لایا گیا۔

بھدرواہ ایک مردم خیز علاقہ ہے جہاں مختلف اوقات میں سرکردہ شخصیات نے جنم لیا ہے اور مختلف شعبہ ہائے حیات میں اپنی ذہانت ولیاقت اور کارکردگی کا مظاہرہ کر کے پوری ریاست میں اس علاقے کا نام روشن کیا ہے۔ عبدالغنی گونی، شیخ غلام محمد بھدرواہی، شیخ

عبدالرحمان، ہری لال ہتیشی وغیرہ ایسی شخصیات ہیں جنھوں نے ریاست اور بیرون ریاست، اپنی سیاسی کارکردگی کی ساخت کو برقرار رکھا۔ خواجہ غلام نبی آزاد جنھیں ریاست کے وزیر اعلیٰ کے طور پر خدمات انجام دینے کا اعزاز حاصل رہا اسی سرزمین سے متعلق ہیں۔ یہاں کی دیگر اہم شخصیات میں جسٹس جانکی ناتھ در (سابق چیف جسٹس آنریبل ہائیکورٹ)، غلام رسول آزاد (سابق ناظم تعلیمات جموں وکشمیر)، پروفیسر عبدالعزیز بٹ (سابق رجسٹرار کشمیر یونیورسٹی)، ڈاکٹر شیخ اقبال (سابق ناظم تعلیمات)، پروفیسر جے۔ آر۔ راٹھور (سابق چیرمین بورڈ آف سکول ایجوکیشن)، جسٹس اقبال کرشن (سابق جج ہائی کورٹ)، عنایت اللہ خطیب (سابق چیف انجینئر)، اوم پرکاش چوہان، بھگوان راج وزیر (سابق چیف انجینئر)، محمد اسلم گونی (سابق ایڈوکیٹ جنرل، ریاستی ہائی کورٹ) کے علاوہ بہت سے دیگر اہم نام ہیں جو یہاں عوامی خدمت کا فریضہ انجام دیتے آئے ہیں۔

شعروادب کے حوالے سے یہاں ایک شستہ اور قابلِ قدر ماحول رہا ہے۔ اُردو اور کشمیری کے نامور شاعر رسا جاودانؔی کے علاوہ دیوانہؔ بھدرواہی، اسعدؔ بھدرواہی، گونی گورگانیؔ اور بشیر بھدرواہی سے لے کر وفاؔ بھدرواہی، تنویرؔ بھدرواہی، رندؔ بھدرواہی، زائرؔ بھدرواہی، شادؔ شرقی، ساغرؔ صحرائی، رازؔ، آسؔ بھدرواہی اور نازؔ نظامی وغیرہ تک اردو شعراء کی ایک کہکشاں نظر آتی ہے۔ پروفیسر شہاب عنایت ملک، جموں یونیورسٹی کے شعبہ اُردو کے صدر کی حیثیت سے فائز ہیں اور اُردو ادب کی خدمت میں مصروف ہیں۔

خواجہ غلام نبی گونی گورگانی کا تعلق اسی سرزمین سے ہے یہاں کے ادبی اُفق پر ایک تابندہ ستارے کی مانند نظر آتے ہیں اور اپنی فکری بلندی اور فنی توانائی کے لحاظ سے ایک منفرد اور امتیازی شان کے حامل ہیں۔ آپ کا کلام ریاست کے اُردو ادبی سرمایہ میں ایک گراں قدر اور فکر انگیز سرمائے کا اضافہ کرتا ہے جو قدر افزائی اور تحسین کا مستحق ہے۔

غلام نبی گوآنی گورگانی: ایک تعارف

(نسب نامہ، ولادت اور حالاتِ زندگی)

خواجہ غلام نبی گوآنی بھدرواہ کے ایک متمول گھرانے سے تعلق رکھتے تھے جہاں پر علم و دانش کا عمدہ ماحول تھا۔ آپ کے مورث اعلیٰ کا نام خواجہ غلام رسول گونی بتایا جاتا ہے جو وادیٔ کشمیر کے گُہن علاقے سے نقلِ مکانی کر کے یہاں پر سکونت پذیر ہوئے۔ آپ ایک بااثر کاروباری شخص تھے اور جنگلات کی لکڑی کے ٹھیکے کا کام کرتے تھے لیکن چھوٹی عمر میں ہی انتقال کر گئے اور گھر کی ذمہ داریاں اور کاروبار کا بوجھ آپ کے فرزند لالہ جو کے کاندھوں پر پڑا ج کی عمر اُس وقت صرف سولہ یا سترہ برس کی تھی۔ تجربے کی کمی کے سبب لالہ جو اپنے کاروبار کو پوری مہارت کے ساتھ نہیں چلا سکے، مزید برآں کئی لوگ آپ کے والد کے بقایاجات کی ادائیگی سے مُنہ موڑتے رہے اس طرح سے آپ کی مالی حالت پتلی ہوگئی اور مُشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے بعد لالہ جو کے بیٹے غلام حسن گُونی نے کافی محنت و مشقت اور تندہی سے کام کر کے اپنی مالی حالت کو سدھارا اور اپنی ساخت کو پھر سے بحال کیا۔ خواجہ غلام حسن گونی کی چار اولادیں ہوئیں۔ عبدالغنی، غلام نبی، محمد شفیع اور دختر مریم بانو۔

گوآنی خاندان کا ریاست کی سیاسی تحریکات اور انتظامی امور میں ایک نُمایاں حصہ رہا ہے۔ غلام حسن کے بڑے فرزند خواجہ عبدالغنی جو ایک قانونی ماہر تھے، ابتداء میں انڈین آرمی میں وائس رائے کمشنر کے طور پر متعین ہوئے اور ۱۹۵۱ء کے بعد کافی عرصہ تک ریاستی قانون ساز اسمبلی

کے ممبر، سٹیٹ منسٹر اور قانون ساز یہ کے سپیکر کے عہدے پر فائز رہے۔ آپ ایک فعال اور ہر دلعزیز شخصیت تھے اور چند کتب کے مصنف بھی تھے۔

غلام نبی گوئیؔ ۱۹۲۶ء میں بھدرواہ میں تولد ہوئے۔ آپ خواجہ غلام حسن کے دوسرے فرزند تھے۔ میٹرک کا امتحان مقامی ہائی سکول سے پاس کرنے کے بعد عدالت میں کلرک کے طور پر تعینات ہوئے۔ آپ بچپن سے ہی ایک حساس اور خوددار طبیعت کے مالک تھے۔ کسی چھوٹی سی دفتری چپقلش کی بنا پر نوکری کو خیر باد کرنے اور تعلیم کو جاری رکھنے کا فیصلہ کیا اور پرائیویٹ امیدوار کے طور پر بی۔اے کی ڈگری حاصل کی۔ اس کے بعد آپ علی گڑھ چلے گئے جہاں آپ نے قانون کی ڈگری کے ساتھ ساتھ تاریخ کے مضمون میں بھی امتیازی پوزیشن کے ساتھ پوسٹ گریجویشن حاصل کی اور آپ کو تمغے سے بھی نوازا گیا۔ علی گڑھ سے واپس آکر آپ نے ڈوڈہ میں وکالت شروع کی اور جب بھدرواہ میں عدالت کا قیام عمل میں آیا تو پھر اپنے ہی علاقے میں جا کر وکالت کرنے لگے۔ بھدرواہ کے ڈسٹرکٹ اور سیشن جج کورٹ میں آپ ایک سرکردہ وکیل مانے جاتے تھے۔ اپنی حاضر جوابی، علمی مطالعہ اور ادبی دلچسپی کی بنا پر آپ عوام و خاص میں عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ مطالعے اور شعر و ادب کا شغف طالب علمی کے زمانے سے ہی دامن گیر تھا اور مقامی ادیبوں اور قلم کاروں کی ہر ممکن حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ بقول رندؔ بھدرواہی صاحب:

> "1968 میں جب بھدرواہ میں جب 'بزم اقبال' کو قائم کیا گیا تو ارکان بزم کو رہنمائی اور حوصلہ افزائی کی سخت ضرورت تھی۔۔۔ اس آڑے وقت میں گونی صاحب نے بزم کی سرپرستی قبول کی اور یہ اُن کی سرپرستی کا اعجاز تھا کہ مقامی اور غیر مقامی ادیبوں نے بزم کی مُستقل رُکنیت اختیار کی۔ گونی خداداد صلاحیتوں کے مالک تھے وہ خود ہی شاگرد اور خود ہی اپنے استاد ہیں"

(طالب حسین رندؔ کہکشاں، صفحہ 41-42)

گونی صاحب گوئیؔ کے قلمی نام سے لکھتے رہے، گونی دراصل آپ کی ذات ہے اور آپ

اِسے تخلص کے طور پر بھی استعمال کرتے رہے اور بعد میں گورگانی[1] کا صیغہ بھی اس کے ساتھ جوڑ دیا۔ آپ وقفہ وقفہ کے بعد مقدمات کی پیروی کے لئے جموں کے ہائی کورٹ بھی جاتے رہے لیکن ۱۹۷۰ء کے بعد آپ نے یہاں سے منتقل ہوکر جموں میں مُستقل رہائش اختیار کی۔ جموں میں آکر آپ نے بہت ہی کم وقت میں اپنی قابلیت اور صلاحیتوں کا لوہا منوایا اور آپ فوجداری قانون کے ایک سرکردہ اور بہت ہی ماہر ایڈوکیٹ مانے جانے لگے۔ جموں میں آپ شہیدی چوک کے مُتصل ایک کسٹوڈین کے مکان میں رہائش پذیر ہوئے۔ آپ ایک بے نیاز اور بُردبار شخصیت کے مالک تھے اور ظلم رسیدہ اور غریب لوگوں کی گاہے گاہے مُفت وکالت بھی کرتے تھے۔ گونی صاحب کی شادی ۱۹۵۱ء میں ہوئی تھی۔ آپ کی چار اولادیں ہوئیں، محمد اشرف، محمد اسلم، امجد علی اور دختر نیلوفر جان۔ محمد اشرف بھی قانونی گریجویٹ ہیں اور اپنا کاروبار چلا رہے ہیں۔ محمد اسلم گونی ریاستی عدلیہ میں کچھ عرصہ ایڈوکیٹ جنرل کے عہدے پر فائز رہے اور آجکل جموں میں ایک سرکردہ ایڈوکیٹ کی حیثیت سے قانونی مشاورت کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔

جموں میں آکر آپ کے ابتدائی قیام کے ایام دراصل معاشی اعتبار سے آپ کی سخت محنت اور جدوجہد کے ایام تھے۔ آپ جھلستی ہوئی گرمیوں میں بھی رات گئے تک مقدمات کی فائلوں میں گھرے رہتے تھے۔ آپ کرایہ کے مکان میں رہتے تھے اور یہاں کوئی ٹھکانہ بھی تعمیر نہ کرپائے تھے، اسی لئے شاید آپ کے قلم سے اس طرح کے اشعار پھوٹتے ہوئے نظر آتے ہیں:

تمام عمر مرے شہرِ آرزو میں نے
ترے شکستہ مکاں میں رہائش کی

☆

اپنے وطن میں شاعرِ کشمیر کے لئے
گھر در کِنار، سایۂ دیوار بھی نہیں

[1] تیمور بادشاہ کا لقب، مجازاً ہر جلیل القدر بادشاہ کے لئے مستعمل

راقم الحروف کو گونی صاحب کا ایک غائبانہ تعارف حاصل تھا۔آپ کے ساتھ ملاقات کی سعادت مجھے اُس وقت حاصل ہوگئی جب ۱۹۸۱ء کے وسط میں، راقم ہیرا نگر کٹھوعہ کے ہائر سکنڈری سکول سے تبدیل ہو کر جموں کے سٹیٹ انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن میں ریسرچ آفیسر کے طور پر تعینات ہوا۔ایک دن دفتر سے فارغ ہونے کے بعد جب میں جموں کے شہیدی چوک میں پہنچا تو وہاں اخبار والے کی دُکان پر گونی صاحب بھی موجود تھے جن کی ملاقات کا مجھے عرصے سے اشتیاق تھا۔ میں نے سلام عرض کیا اور اپنا مختصر سا تعارف کیا۔آپ خندہ پیشانی کے ساتھ ملے اور میرا ہاتھ پکڑ کر سیدھا مجھے اپنے رہائشی کوارٹر میں پہنچایا جو ساتھ ہی میں واقع تھا۔آپ نے گرمجوشی کے ساتھ اپنی بیٹھک میں بٹھایا۔تھوڑی دیر میں چائے آگئی اور آپ اپنی مخصوص نشست پر بیٹھ گئے اور سامنے رکھے ہوئے مارپیچاں حُقے سے تمباکو نوشی کا شوق فرمانے لگے۔ کچھ وقفہ کے ساتھ والی الماری سے ایک لمبا رجسٹر نکالا اور اُس پر سے مجھے اپنا کلام سُنانے لگے۔کلام کو سُن کر میں مرعوب سا ہو گیا کیونکہ اس طرح کا کلام مجھے پہلی بار سُننے کو ملا تھا۔ میں بڑی ہمت کر کے داد دیتا رہا۔کافی دیر تک بیٹھنے کے بعد میں نے رخصت چاہی تو آپ نے تاکید کی کہ فرصت کے اوقات میں آتے رہنا۔اس کے بعد میں اکثر و بیشتر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے کلام سے محظوظ ہوتا رہا۔

گونی صاحب ایک پُرکشش اور وضع دار شخصیت کے مالک تھے۔متوسط قد، گندمی چہرہ، ہونٹوں کے اوپر گھنی سی مونچھوں کی لکیر اور تیز بین نگاہیں۔اکثر علی گڑھ کے طرز کا بند گلا کوٹ اور سر پر طرحدار قراقلی ٹوپی پہنے ہوئے نظر آتے تھے۔کوٹ اور پتلون کا بھی استعمال کرتے تھے اور مبالغے کی حد تک سنجیدہ اور پُر تمکنت نظر آتے تھے۔ انتہائی مصروف ہونے کے باوصف شعر و ادب کے لئے وقت نکالنا آپ کی بے لوث ادب دوستی، تخلیقی تمازت اور ہمہ جہت کاوشوں کا بیّن ثبوت ہے۔گونی صاحب کسی شہرت کے متمنی نہیں تھے۔آپ کو نہ کہیں نشریاتی اداروں کا طواف کرنے کی فرصت میسر تھی اور نہ ہی مشاعروں میں شریک ہونے اور خود نمائی کرنے کا یارا تھا بلکہ بڑی سنجیدگی اور خاموشی

کے ساتھ اپنے موقف اور احساسات وجذبات کو لباس شعر سے مُزین کرتے رہے۔

گونی صاحب کی مادری زبان ٹھیٹھ کشمیری تھی لیکن اُردو زبان سے والہانہ لگاؤ رکھتے تھے اور اُردو میں ہی اپنا کلام موزون کرتے تھے۔ ایک بار جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو چیمبر میں کچھ نوجوان وکلاء بھی بیٹھے تھے۔ آپ نے مجھے اپنا کشمیری کلام سُنانے کو کہا تو میں نے چند قطعات عرض کئے۔ آپ نے بلا تامّل اُن کا انگریزی ترجمہ کیا اور اُن وکلاء کو بھی سُنایا وہ بھی کافی محظوظ ہوئے۔ مجھے آپ کی انگریزی دانی دیکھ کر حیرانگی ہوئی۔ کیونکہ آپ کا ترجمہ میرے کلام سے بہت ہی فصیح اور بلیغ تھا۔ جب میں نے آپ سے عرض کیا کہ آپ کشمیری میں بھی طبع آزمائی کرتے ہیں؟ تو فرمایا۔ ابتدا میں تھوڑی سی کوشش کی تھی لیکن پھر چھوڑ دیا۔ اپنے ذہن پر زور دے کر دو یا تین شعر سُنائے جو مشہور کشمیری شاعر رسول میر کی ایک فارسی آمیز غزل کی زمین میں تھے۔ مجھے اُن اشعار میں سے صرف مقطع کا آخری مصرعہ ابھی تک ذہن میں ہے۔ جو حسب ذیل ہے: ع

میر و گونی ہیچو باہم پنج دستان اے صنم

بشیر بھدرواہی صاحب کا کہنا ہے کہ

> ''آپ (گونی صاحب) نے مجھے کئی بار اردو زبان میں شعر کہنے کی فہمائش کی۔ اس لئے نہیں کہ اُن کو کشمیری زبان سے عدم دلچسپی تھی بلکہ اُن کا کہنا تھا کہ اُردو شعر و ادب کی وسعتیں آفاقی ہیں اور کشمیری زبان کا ادبی دائرہ کشمیر تک ہی محدود ہے''

(بھدرواہ کی تاریخ وثقافت۔ از بشیر بھدرواہی، صفحہ ۱۷۹)

گونی صاحب ایک کثیر الاحباب شخصیت تھے۔ آپ کے مداحوں میں آپ کے شناساؤں اور عام لوگوں کے علاوہ عدلیہ اور انتظامیہ کے بڑے بڑے آفیسر شامل تھے۔ کثیر المطالعہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک نڈر اور بے باک مُقرر تھے اور کسی بھی موضوع پر بلا تامّل اور

تسلسُل کے ساتھ گھنٹوں بول سکتے تھے اور سامعین آپ کی علمی بصیرت کو دیکھ کر گوشِ سماعت بن کر رہ جاتے تھے۔ آپ جس مجلس میں شریک ہوجاتے اُسے اپنی حاضر جوابی، سلیقہ شعاری اور وسعتِ معلومات سے چمن زار بنا دیتے تھے اور کسی کو تکرار و تنقید کی ہمت نہ پڑتی۔

سرد موسم میں زیادہ رہنا آپ کو اپنی صحت کے ناموافق معلوم ہوتا تھا۔ آپ کے فرزند محمد اسلم صاحب کا کہنا ہے کہ آپ ۱۹۷۰ء کے بعد کبھی بھی سرینگر نہیں گئے حالانکہ کئی دوست آپ کو سرینگر آنے کے لئے اصرار کرتے رہے اور آپ جموں کے ہی گرم شہر میں قیام کرتے رہے۔ غالباً آپ کا یہ شعر بھی اسی کیفیت کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے:۔

ہے صاحبِ غم شہرِ تمازت میں جفا کیش
وادی نے کہا آب و ہوا سرد ہے میری

اگرچہ آخری ایام تک جموں میں ہی مقیم رہے لیکن آپ کو اپنے زاد و بوم سے گہرا لگاؤ تھا۔ گونی صاحب کو اس بات کا فخر حاصل تھا کہ آپ بھدرواہ کے خوبصورت علاقہ سے تعلق رکھتے ہیں جس کو مرحوم غلام محمد صادق (سابق وزیر اعلیٰ) اپنے دورِ حکومت میں تعلیمی شرح کے لحاظ سے ریاست جموں و کشمیر کا کیرالا کہا کرتے تھے۔ گونی صاحب اس کا یوں تفاخراً اظہار کرتے ہیں:۔

گونی جہاں رہتے ہیں وہ مرکز دانش ہے
صادق جسے کہتے تھے کشمیر کا کیرالا

۱۹۷۶ء کے بعد آپ کی صحت کمزور ہونے لگی اور آپ نے عدالت میں جانا چھوڑ دیا۔ کچھ عرصہ بیمار رہنے کے بعد آپ ۲ر مئی ۱۹۹۷ء کو جموں میں ہی رحلت کر گئے اور جموں کے گوجر نگر قبرستان میں مدفون ہوئے۔ اِنا للہ واِنا اِلیہِ راجعوُن ؕ

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

نسب نامہ۔ ولادت، تعلیم اور حالاتِ زندگی

غلام رسول گونی

↓

لالہ جُو

↓

غلام حسن گونی

↓

عبدالغنی — غلام نبی — محمد شفیع — مریم رفیقی

غلام نبی ↓

نُصرت نیلوفر — محمد اشرف — محمد اسلم — امجد علی

(فرستادہ از خواجہ محمد اسلم گونی)

غلام نبی گونی گورگانؔی کی شاعرانہ شخصیت

گونی گورگانی ہماری ریاست کے سرکردہ اُردو شعراء میں ایک امتیازی شان کے حامل ہیں۔آپ یہاں کے شعری منظرنامے کے اُفق پر اُس وقت اچانک ایک شہاب ثاقب کی طرح نمودار ہوئے جب ۱۹۸۴ء میں آپ کا پہلا شعری مجموعہ ''ارمغانِ کاشمیر'' کے نام سے منظر عام پر آیا اور اُس سے قبل آپ یہاں زیادہ تر ایک ماہر قانون کی حیثیت سے ہی متعارف تھے۔آپ علامہ اقبال کے فکر و فلسفہ سے کافی متاثر ہیں اور آپ کے کلام پر اقبال کی گہری چھاپ موجود ہے۔بقول جناب محمد یوسف ٹینگ:

''میرے خیال میں آپ طرزِ اقبال کے آخری سخنور تھے۔''

(پیش لفظ۔گل بانگِ کاشمیر۔محمد یوسف ٹینگ)

گونؔی اقبال کے ہی طرز اور لہجے میں شاعری کرتے ہیں، جس کا آپ خود بھی تفاخراً اظہار کرتے ہیں۔

گونؔی کی شاعری کا جو لہجہ اُبھر کر سامنے آتا ہے اُس کا عام انداز وہی ہے جسے کلاسیکل کہا جاتا ہے، جس میں فنی چابک دستی اور لوازمات کا سختی کے ساتھ التزام موجود ہے۔آپ کی شعر گوئی کا آغاز اُس وقت ہوا، جب ریاست میں ترقی پسند تحریک اپنے پورے جوبن پر تھی اور جدیدیت نے بھی اپنے بال و پر کھول دینا شروع کئے تھے لیکن آپ کی شخصیت اتنی مضبوط تھی کہ جدیدیت سے کہیں استفادہ کرنے کی کوشش بھی کی لیکن اُنہیں اپنے اوپر حاوی نہیں ہونے دیا۔

اگر چہ آزاد نظم اور نثری نظم جیسی اصناف سے اپنی رغبت کا اظہار نہیں کرتے لیکن آپ کا اسلوبِ شعر روایتی سانچوں کی آبیاری کرتے ہوئے نئے معنوی العباد پیدا کرتا ہے۔

گونی صاحب کے کلام کا بالاستیعاب مطالعہ کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ آپ ایک مُفکر سخنور ہیں جن کا کلا موضوعاتی سطح پر بڑی شاعری کے خواص سے متصف ہے۔ جس کے پس منظر میں علمی تجربہ، فکری بصیرت اور دانشوارانہ آگہی کارفرما ہے۔ آپ کی شعری ترسیل میں ایک پیدائشی شاعر کی حسیّت اور sensibility موجود ہے۔ غزل کی ماہیت سے آپ پوری طرح سے آشنا ہیں اور آپ کی غزلوں میں ایک زبردست فنی رچاؤ موجود ہے جس کا آپ پوری صلاحیت کے ساتھ اہتمام کرتے ہیں۔ آپ کا ہر شعر آمد کی روانی لئے ہوئے نظر آتا ہے جس کا بہاؤ لمحہ بہ لمحہ تیز تر ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ آپ کی غزلوں میں ریزہ خیالی کے اوصاف بدرجہ اتم موجود ہیں چہ جائیکہ آپ کی بیشتر غزلوں میں ایک ہی خیال کی تجسیم کاری بھی دیکھنے کو ملتی ہے۔ زبان و بیان پر آپ کو ایک اُستادانہ مہارت اور خلاقانہ دسترس حاصل ہے۔ اپنی غزلوں میں اگر چہ آپ ردیف و قافیہ اور بحور و اوزان کے حوالے سے کلاسیکی غزل کی شعریات کو ہی برتتے ہیں لیکن اپنے لسانی اور جمالیاتی شعور کی مدد سے رموز و علائم کی ایک نئی ترکیب کاری سے اپنے شعری تجربوں کو زیادہ سے زیادہ وسعت دیتے ہیں اور اپنے مخصوص سیاق و سباق میں استعمال کرتے ہیں۔ آپ ایسی تراکیب و استعارات کو خلق کرتے ہیں کہ ان میں ایک تہہ داری پیدا ہوتی ہے جو شعر کی کیفیات کو زیادہ مستحکم بناتی ہے۔ آپ کی تراکیب و تشبیہات میں اکثر مشق فلاسنگ، کرمکِ فرنگ، مذاقِ نیچری، ضیغم خرکان، جُرات سرچنگ، غایت الغایات، مُلہم و کشاف، دلدادہ عُمرانیات، خنجرے بے نیام، فجور شیطانی، خربندہ، خرپاچہ، موج وکراں، شُکوہ طاغوتی، علامات ہلوک، ہرزہ سرائی، جگ ہنسائی، خرس و خوک اور مبارزہ طلبی جیسی تراکیب دیکھنے کو ملتی ہیں جن کو بسا اوقات قاری کو سمجھنے میں دشواری بھی پیش آتی ہے۔ گونؔی کی غزلوں میں اگر چہ عشق و رومان کا کوئی دخل نہیں ہے لیکن آغاز کلام میں اس طرح کے ذوقِ جمال کی ہلکی پھلکی

کرنیں لپکتی ہوئی نظر آتی ہیں جن میں ایک محتاط اظہار بیان موجود ہے۔ مثلاً

بے نیاز رسوم دیر و حرم　　کافری شوخ بندگی سی تھی
حُسن جس پر نثار ہوتا تھا　　عشق میں اک درندگی سی تھی
ہم نے دیکھا ہے وہ زمانہ بھی　　زندگی جب کی زندگی سی تھی

گونؔی کو میرؔ و غالبؔ جیسے اساتذۂ سخن کا بھی مطالعہ تھا جس کا اندازہ گاہے گاہے آپ کے کلام میں بھی جھلکتا ہوا نظر آتا ہے لیکن مجموعی طور پر آپ اقبالؔ کے فکر و فلسفہ اور شعری اسلوب سے ہی زیادہ متاثر نظر آتے ہیں۔

غزل کو لذتیت، جنسیت اور سطحیت سے اوپر اُٹھا کر تقدس و علویت کے معیار سے ہم کنار کرتے ہیں جو بے مِثال کارنامہ اقبالؔ نے انجام دیا، گونؔی کی غزل اُس کا عکسِ ثانی معلوم ہونے لگتی ہے۔ آپ ایک مثبت فکری رویے اور صحت مند قدروں کے ترجمان ہیں اور غزل کو ایک ایسی تخلیقی کاوش مانتے ہیں جو احساسات و خود احتسابی کی منزل سے گُزرتے ہوئے زندگی کو آئینہ دکھاتی ہے۔ مِثال کے طور پر آپ کے یہ اشعار:

- زندگی علوئے فِکر و نظر　　سِفلگی ہے غرور نسل و نسب
- علوئے نظر ہے قیامِ شبانہ　　طلوعِ سحر، سجدہ صُبح گاہی
- لقمہ تر سے جو تیری پرورش ہونے لگی
  اے مسلماں دیر تک قسمت تیری سونے لگی
- جب تک تعصّبات کی دیوار کھڑی ہے
  دشوار ہے نجات کا رستہ دکھائی دے

گونی صاحب کاروبار زندگی کا ایک عملی تجربہ رکھتے تھے۔ آپ کو پوری زندگی میں لوگوں کے مسائل اور مصائب کو سُننے سے اور اُن کو سلجھانے سے واسطہ رہا۔ آپ نے عصری زندگی کی مادی کشاکش اور انسانی ہوس پرستی کو بہت قریب سے دیکھا۔ آپ اگرچہ جمہوری قدروں کے

طرفدار تھے لیکن جمہوریت کے نام پر استحصالی اور خود غرض عناصر کو دیکھ کر سیخ پا ہو جاتے ہیں اور قومی ترقی اور عوامی بہبودی کے حق میں ایسے عناصر کو سدِ راہ سمجھتے ہیں جس کے خلاف آپ یوں اپنی برہمی کا اظہار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں:۔

● سفینے کے لئے موج بلا ہیں — یہ ناداں لوگ جب تک ناخدا ہیں

● کیا کھلیں پھول زرد چہروں پر — جب بدن میں لہو کا نام نہ ہو

☆

جانے کیوں روپوش پردوں میں ہے انساں کی خوشی
میں اکیلا ہی نہیں سارا زمانہ ہے اُداس!

☆

● چاہتا ہے صغیر قوموں پر — ہر بڑا ملک اپنی سرداری

● کیا علاجِ رنجِ ہائے مردم سادہ مزاج

● رہبر درد آشنا دِلدادۂ عیش و طرب

گونی کی غزلوں کا سوزِ دروں جب آپ کی ترنم آمیز بحروں کے ساتھ ہم آہنگ ہو جاتا ہے تو یوں محسوس ہونے لگتا ہے کہ دریائے چناب سنگلاخ چٹانوں سے ٹکرا کر اپنا راستہ بنانے کی کوشش کر رہا ہے۔ غزلوں ہی کی طرح آپ کے قطعات میں بھی اس طرح کی کارفرمائی نظر آتی ہے:۔

ہر کسی کو شہر میں دعوائے دلداری تو ہے
کیجئے کس پر بھروسہ آزمائش کے بغیر
کارِ مشکل بن گئی تلقینِ حرفِ والضحیٰ
کوئی سُنتا ہی نہیں مدح و ستائش کے بغیر

دیکھتا ہوں جو حالِ زارِ چمن!
وِرد کرتا ہوں سورۂ طاہا

گونی کشمیر کی تہذیبی اور تمدنی قدروں کو جان سے عزیز رکھتے ہیں۔ آپ کشمیریوں کی ذہانت وفطانت پر نازاں ہیں اور انہیں ہر حال میں ترقی اور خوشی سے ہمکنار دیکھنا چاہتے ہیں جس کا مفصل ذکر اگلے ابواب میں پوری طرح سے دیکھا جاسکتا ہے۔ آپ کے کلام میں طنز و ظرافت کی ایک تیز کاٹ بھی دیکھنے کو ملتی ہے۔ آپ موجودہ دور کی سائنسی فتوحات کو جہاں سراہتے ہیں وہیں پوری دنیا میں بڑھتی ہوئی اخلاقی گراوٹ، بے راہروی اور ذہنی انتشار کو دیکھ کر رنجیدہ خاطر ہوتے ہیں۔ آپ نام نہاد ترقی یافتہ ملکوں میں بے لگام جنسی بے راہروی کو انسانی آبرو اور وقار کا قتل عام سمجھتے ہیں۔ معاشرے میں بڑھتی ہوئی بے حیائی اور فیشن پرستی کو آپ مغربی زدگی کا نتیجہ سمجھتے ہیں اور اس پر زہرخندہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

گونی ایک دیدہ آگاہ شخصیت تھے اور پورے مشرق ومغرب پر اپنی نظر مرکوز کیئے ہوئے تھے۔ آپ کے موضوعات میں بین الاقوامی، سیاسی اور معاشی موضوعات کے علاوہ اسلام، قرآنی تعلیمات اور رموزِ حیات وممات جیسے موضوعات شامل ہیں۔ آپ جہاں مغرب کی استعماریت اور جارحانہ عزائم کی پالیسیوں کو حرفِ تنقید بناتے ہیں وہیں اُمتِ مسلمہ کی غفلت شعاری، باہمی رقابت اور عدمِ اتفاق سے بھی نالاں ہیں۔ جس کا آپ مختلف سطحوں پر اظہار کرتے ہیں:

- ہر گوشہ حرم میں فروکش خبر رساں ۔۔۔ ہوتے ہیں تل ابیب پر اِفشا تمام راز
- یہودیوں کی نگاہیں حریص طائف پر ۔۔۔ سعودیوں کا اثر مصر و شام پر نہیں
- مشرق کی زمینوں کی جنوں خیز ہوا نے ۔۔۔ مغرب کے سفینوں کو سمندر میں اُتارا
- اب جنگ میں نہیں ہے مروّت کا شائبہ ۔۔۔ مامور ہیں جہاز ہوا باز کے بغیر
- ریت پر ہے شاخِ زیتونِ عرب ۔۔۔ آسمانِ دشت پر چینی پتنگ
- حریص لوگ مسلط ہیں جابجا گونی ۔۔۔ بڑے عذاب میں ملت ہے چارہ گر بھی نہیں
- تباہ کاری جنگ تعصّبات کے بعد ۔۔۔ سفیر زحمتِ گفت و شنید کرتے ہیں

مہلک نیوکلیائی ہتھیاروں کی بڑھتی ہوئی دوڑ، امن عالم کی بگڑتی ہوئی صورت حال کو

دیکھ کر گونی کبھی خوفناک نتائج کے خدشات کا بھی اشارہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں:

فیصلے باقی رہیں گے خاتمہ کر جائے گی
جانے کس منحوس دن چھڑ جائے گی جنگِ عظیم

گونی کو اردو زبان کے ساتھ والہانہ محبت تھی اور اسے گنگا جمنی تہذیب کی ایک مشترک علامت سمجھتے تھے جس نے یہاں کے ثقافتی نقشے میں طرح طرح کے رنگ بھر دیئے اور آپسی بھائی چارے کو پروان چڑھایا۔

اُردو کی ناپُرسان حالی کا احساس وہ ہمیں اس طرح دلاتے ہیں کہ ڈاک خانہ میں اُردو میں ایڈرس لکھا ہوا لفافہ پڑھنے والا تک کوئی میسر نہیں اور اس قابل افسوس بات کی طرف آپ یوں توجہ دلاتے ہیں:

ہمیں معلوم تھا اس کا نتیجہ
پتہ اُردو میں لکھا جا رہا تھا
مقامی ڈاکیہ سترہ برس بعد
لفافہ بند واپس لا رہا تھا

گونی کی اُفتادِ طبع، پاکیزہ مزاجی اور زبان و بیان پر مکمل دسترس کا پتہ اُس کی غزلوں اور نظموں میں یکساں طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ آپ جہاں اپنی غزلوں کی صورت میں اپنے فکرو احساس کی بوقلمونی کا مظاہرہ کرتے ہیں وہیں آپ صنف نظم میں بھی زیادہ جامعیت کے ساتھ اپنے تخلیقی جواہرات کو صفحات قرطاس پر بکھیر کر رکھ دیتے ہیں۔ آپ کی نظموں میں بھی مختصر اور طویل دونوں طرح کی نظمیں موجود ہیں بلکہ موجودہ دور کی عدیم الفرصتی اور کتابیں پڑھنے والوں کی کم توجہی کے پیشِ نظر آپ نے زیادہ تر مختصر نظموں کو ہی اپنے موقف کا ترجمان بنایا ہے۔ آپ کی غزلوں کی طرح ہی آپ کی نظموں میں بھی ایک روایتی اور سکہ بند اسلوبِ نگارش کی ہی پاسداری دیکھنے کو ملتی ہے۔ آپ کے مابعد کے دونوں شعری مجموعے زیادہ تر نظموں سے ہی آراستہ نظر آتے

ہیں۔ ہیتی طور پر اگرچہ آپ کی نظموں کا روایتی رنگ و آہنگ ہے لیکن آپ اچھوتے اور طرح طرح کے نئے ابعاد کو اپنا موضوعِ سخن بناتے ہیں۔ قدروں کا زوال، عالمی پیمانے پر رونما ہونے والی سیاسی اور معاشی تبدیلیاں، عصری پیچیدگیاں، کشمیر کی تہذیبی شناخت، داخلی اور خارجی تصادم آرائیاں، ملت اسلامیہ کا ماضی اور مستقبل جیسے موضوعات آپ کی نظموں کے خاص محور ہیں۔ آپ کی نظموں کے موضوعات اتنے کثیر الجہات ہیں جن کا شمار کرنا آسان نہیں۔

نظموں سے چند نمونے:

وہ زبان رشکِ نوائے عندلیب　　　ہے قریب مرگ اُردو شہر میں
ہوگئی خاموش تو اہلِ سخن　　　ہر طرف بولیں گے اُلو شہر میں

(نظم۔ اُردو)

فِکر انسانی کے ہر اک دور میں　　　حائل راہ، خوبصورت محلات
لازمی ہے خود شناسی کے لئے　　　دیو مالائی تہذیب سے نجات

(نظم۔ خوبصورت مہلت)

ہے یہی حرفِ صبر کی تعمیل　　　صبر ہے محکمات کی تعمیل
اس کی روشن مِثال ہائے حُسینؓ　　　قتلِ شبیرؓ و ذبحِ اسماعیلؑ

(نظم۔ صبر)

چل پڑا غارِ حرا سے بندۂ والا صفات　　　صحنِ بیت اللہ سے رخصت ہوئے لات و منات
وقت کو معمور کر دیتے ہیں اکثر سانحات　　　حاصلِ تاریخِ انسانی شکوہ حادثات

(احیائے اموات)

ہٹ کر نقوشِ رسالت مآبؐ سے　　　آزادئ خیال ہلاکت سے کم نہیں
ہے ذوق بندگی و عبادت بجا مگر　　　انسان دوستی بھی ولایت سے کم نہیں

(تہذیب یا حراست)

اصلاح کی امید بہت کم ہے نظر کو — لوگوں میں محبت کی حرارت ہے نہ غیرت

احساس فلاکت نہ تغیر کے عزائم — یہ دیکھ کے ہوتی ہے غضبناک سی حیرت

(نظم۔غضبناک حیرت)

گوہرؔ پورے برصغیر میں امن اور دوستی کے ماحول کو پھلتا پھولتا دیکھنا چاہتے تھے اور ہند و پاک کے دونوں ممالک کو ایک دوسری کی ترقی میں شریک دیکھنا چاہتے تھے۔ثقافتی سطح پر آپ غالبؔ، اقبالؔ، ٹیگورؔ اور جوشؔ جیسے مشاہیرِ ادب کو برصغیر کے ادبی دنیا کا افتخار قرار دیتے ہیں جن کے کلام میں پوری انسانیت کے لئے بھائی چارہ اور امن ومحبت کا پیغام موجود ہے۔

تیرے ارمانوں کی زینت ہے دِل برصغیر
حکمتِ اقبالؔ و غالبؔ، فکرتِ ٹیگورؔ و جوشؔ

گوہرؔ کے کلام کو سمجھنے کے لئے خاصے مطالعے کی ضرورت ہے، ورنہ عام قاری کے لئے اس سے زیادہ استفادہ کرنا ''کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی'' والا معاملہ ہے۔گوہرؔ کی شعری ترسیل میں ایک زندہ جاوید شخصیت کا پیغام موجود ہے جو انسان کو ہر وقت آگے بڑھنے اور مصائب پر قابو پانے کا حوصلہ دیتا ہے۔آپ صحت مند قدروں کے پاسدار بھی ہیں اور گرویدہ بھی۔آپ کی شخصیت ایسی ہے جو قدروں کی شکست ریخت سے رنجیدہ ہے اور ناپسندیدہ اقدار سے متصادم بھی،لیکن بے بس بھی۔آپ ایک سچے اور مُحبِ انسانیت شاعر ہیں اور اس بات کے حامی ہیں کہ ایک تخلیق کار کو تعمیر حیات میں اپنا حصہ ادا کرنا چاہئے۔مشتاقؔ فریدی، گوہرؔ صاحب کی شاعری سے متعلق اپنے ایک مضمون میں رقمطراز ہیں:

''مخلص اور صادق القول ادیب اور شاعر کی امتیازی شان یہ ہے کہ کہ وہ کبھی اغماض سے کام نہیں لیتا اور نہ مصلحت پسندی کی روش اختیار کر کے چُپ سادھ لیتا ہے۔گوہرؔ کے سینے میں دردمند دل دھڑکتا ہے۔وہ انتہائی حساس طبیعت کے مالک ہیں۔بالغ النظر اور قادر الکلام شاعر ہونے

کے باوجود تشہیر سے عاری ہیں۔ گوآنی علامہ اقبالؔ کے مقلد اور معتقد ہیں۔ اُن کا لب ولہجہ یہاں تک اقبالؔ کے لہجہ میں مدغم ہے کہ نکتہ چیں ان کی شاعری کو اقبالؔ کی شاعری کا چربہ کہتے ہیں''۔

اسی طرح اسیر کشتواڑی صاحب اپنی کتاب 'ذکر وفکر' میں رقمطراز ہیں:

''ان (گوآنی صاحب) کی بات کی تہہ تک پہنچنے کے لئے کافی قابلیت درکار ہے یہی وجہ ہے کہ عام قاری کو کچھ بھی پلے نہیں پڑتا اور لوگ اس قبیل کی شاعری کو زاہدِ خشک کے وعظ ونصیحت کی طرح زیادہ قابل توجہ نہیں سمجھتے۔ گونی فی الواقع شاعرِ کشمیر ہیں''۔

(ذکر وفکر۔ اسیر کشتواڑی صفحہ ۱۴۷)

درج بالا دونوں اصحاب قلم گوآنی کی شاعرانہ عظمت کے معترف ہیں لیکن اسے کیا کہئے کہ اقلیم شعر وادب میں کبھی ایسے بے جواز اور ناخوشگوار فیصلے بھی صادر کئے جاتے ہیں کہ آدمی کا کلیجہ منہہ کو آنے لگتا ہے۔ حد یہ ہے کہ کلیم الدین جیسا ناقد اقبالؔ جیسے عظیم المرتبت شاعر کی نسبت یہ فیصلہ صادر کرتا ہے:

Iqbal has no place in world literature...Iqbal is just a versifier and not a poet.

لیکن اس میں ذرا بھی کوئی شائبہ نہیں کہ اقبالؔ کا کلام رہتی دُنیا تک پوری آب وتاب کے ساتھ شائقینِ ادب کے دلوں کو فرحت وتمازت سے سرشار کرتا رہے گا۔

گوآنی صاحب ایک ذکی الطبع اور زود گو سخنور ہیں جو اپنے شستہ اسلوبِ نگارش اور فکر ونظر کی ارتفاعیت اور خلوص وسچائی کی بنا پر پورے احترام وعزت کی نگاہ سے دیکھے جائیں گے۔ ہماری ریاست کے اُردو ادبی منظر نامے میں ایسی شخصیت کا ورُود مُدت کے بعد دیکھا جا سکتا ہے۔ بقول جناب محمد یوسف ٹینگ:

''گونی کے یہاں کوئل کی کُوک اور بربط کی لے ڈھونڈنا اِن کے اندازِ نظر اور احساسِ فکر سے زیادتی ہے۔۔۔اُن کے کلام کو پڑھ کر آئندہ نسلیں اعتراف کریں گی کہ یہاں کے اُردو شاعر نے اپنے زمانے کے تقاضوں کو صرف محسوس ہی نہیں کیا بلکہ اُن کو بیان کرنے کے لئے اظہار کی صلیب اپنے کاندھوں پر لئے پھرتا رہا۔۔۔گونی کی تاریخی حیثیت قائم رہے گی اور اُن کی پاک نہادی، روشن ضمیری اور بُلند فکری کی شہادت دیتی رہے گی۔شعر گوئی اُن کے لئے سنطور نوازی نہیں بلکہ ایمان وعمل کا ایک مسلسل چوگان تھی۔''

(پیش لفظ۔گل بانگِ کاشمیر۔محمد یوسف ٹینگ)

گونی صاحب تقریباً ساڑھے تین دہائیوں سے زیادہ عرصہ تک ایک گمنام مردِ قلندر کی طرح کسی صلے اور ستائش کی تمنا کئے بغیر جگر کاوی سے اپنے شعری موقف کی آبیاری کرتے رہے اور زبان وادب کی بے لوث خدمت بجالاتے رہے۔یہ تذکرہ یہاں آپ کے ہی اس شعر پر ختم کیا جاتا ہے:

مجھے دیئے ہیں خدا نے دِل و دماغ و نظر
میں بے نیاز نہ ہوتا تو سروری کرتا

گوؔنی ایک تلمیذِ اقبالؔ

علامہ اقبالؔ کی عبقری شخصیت نے جہاں اپنی گہری علمی بصیرت، فکروفلسفہ اور شعری اعجاز کی بدولت مشرقی ادب کو لازوال علمی اور تخلیقی سرمایہ سے مالا مال کردیا وہیں آپ نے اپنے فکروفن کا ایسا سکّہ جمادیا جو اقبالیات کے حوالے سے ایک قابلِ رشک تقلید دبستانِ فکروفن بن گیا۔ آپ انسانی عظمت کو اُجاگر کرنے والے ایک بُلند قامت مُفکر اور فلسفی شاعر ہیں جن کے فِکر کی اساس ایک عالمگیر فلاحی نصب العین کی ارتفاعیت پر قایم ہے۔ آپ کے کلام میں پیامِ حیات کا ایک زوردار پہلو موجزن ہے جو انسان کو روحانی اور اخلاقی بیداری، حرکتِ عمل، اخوت ومساوات، امن ودوستی اور عرفانِ الٰہی کا درس دیتا ہے۔ آپ کی ہمہ جہت شخصیت کے زیرِاثر پورے برصغیر میں نہ صرف اُردو اور فارسی داں طبقہ کو زوردار تحریک ملی بلکہ مُختلف علاقائی زبانوں سے تعلق رکھنے والے اہلِ قلم حضرات کو بھی روشنی ملتی رہی۔ خود ہماری ریاست کے بیشتر سربرآوردہ شعراء اور اصحابِ قلم اقبالؔ کے فیضانِ فکروفن کے رہینِ منت دکھائی دیتے ہیں۔ اُردو شعری ادب میں ہماری ریاست میں جس شاعر کو تلمیذِ اقبال کا سب سے زیادہ شرف حاصل رہا ہے اُن کا اسم گرامی خواجہ غلام نبی گونی بھدرواہی ہے جو گورگانی کے قلمی نام سے بھی شہرت رکھتے ہیں۔

گوؔنی جنون کی حد تک اقبالؔ کے معترف ومعتقد اور شیدائی ہیں جن کے رگ وپے میں کلامِ اقبال کی مہک سرایت کئے ہوئے ہے۔ آپ ابتداء سے ہی کلامِ اقبال کو اپنا حرزِ جاں سمجھتے رہے ہیں اور آپ کا تقریباً پورا کلامِ اقبال کے رنگ میں ڈوبا ہوا نظر آتا ہے۔ آپ خود کو بھی

فرزندِ اقبال، کبھی تلمیذِ خدا اور کبھی مریدِ اقبال کہہ کر پُکارتے ہیں اور کبھی اپنے احساس فِکر میں شاعرِ مشرق کی پرچھائیوں کو حلول کرتے ہوئے دیکھ کر یوں فخر کے ساتھ اقبالؔ کے ساتھ اپنے تعلق کا اظہار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

- مِنت اک غمزۂ اقبال ہے میرا وجود　　ورنہ کیا یہ بندۂ کنگال، کیا نام و نمود
- یہ حُسنِ انتخاب قلندر کا ہے کمال　　اقبال کے مریدِ غزلخواں کو دیکھئے
- کیا پوچھتے ہو شاعرِ کشمیر کی نسبت　　اقبال کا فرزند ہے، تلمیذِ خدا ہے

گونیؔ کا یہ دعویٰ محض آپ کی شاعرانہ تعلیٰ ہی نہیں ہے بلکہ اس کے پسِ منظر میں آپ کا عقیدہ، یقین اور اعتماد بھی کارفرما ہے، جو آپ کو شیفتۂ اقبال کہنے پر خود کو آمادہ کرتا ہے۔

اقبالؔ ایک آفاقی شاعر ہیں اور آپ کی شاعری کا خاص محور بین الاقوامی سیاسی اور اقتصادی حالات کے تناظر میں قومی اور مِلی بیداری کو اُجاگر کرنا ہے اور مِلت کے ہر فرد کو اپنے احساسِ ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کی تلقین کرنا ہے۔

گونیؔ، اقبال کے اس مشن کو آگے بڑھانے اور اس پر عمل پیرا ہونے کے لئے اپنی ذمہ داری کو محسوس کرنے کا یوں عندیہ دیتے ہیں:

به اِذن حضرت اقبالؔ، گونیؔ
دِگر درپیش تو کارِ عظیمے

گونیؔ پورے کُرہ ارض پر اُمت مسلمہ کی غفلت شعاری اور عدم اتحاد کو دیکھ کر رنجیدہ خاطر ہیں اور اس بات کے متمنی ہیں کہ مِلت خواب غفلت سے بیدار ہو جائے۔ آپ اِس بات کے شائق اور متمنی ہیں کہ آپ اپنے کلام کے ذریعے اور اپنی فکری اور عملی سطح پر اس فرض کو انجام دینے کے لئے حتی الامکان خود کو وقف کر پائیں۔ گونی، اقبالؔ کے انداز میں ہی شاعری کرتے ہیں۔ رنگ و آہنگ، زبان و بیان، فکر و فلسفہ اور موضوعات و مشاہدات کے اعتبار سے آپ کا لگ بھگ پورا کلام اقبالؔ کے لب و لہجہ، فکری تمازت اور جوش و جذبے کا آئینہ دار ہے۔ علامہ کا کہنا ہے کہ:

وہ نغمہ سردیٔ خونِ غزل سرا کی ہے دلیل
کہ جس کو سُن کر تیرا چہرہ تابناک نہیں

یا یہ شعر:۔

وَمن کُجا نغمہ کُجا سازِ سخن بہانہ ایست
سوئے قطار می کشم ناقہ بے زمام را

جس کا حقیقی مقصد خوابیدہ دِلوں کو جگانا اور اُنہیں اپنے منصب سے آگاہ کرنا ہے۔ گونیؔ کے ہاں یہی خیال یوں دستک دیتا ہے:۔

پیدا مرے سخن میں دم بَبرک و عقاب
کیا لا سکے گا کوئی میری شاعری کی تاب

اقبالؔ اس موقف کے حامی ہیں کہ ایک تخلیق کار کو اپنے فرضِ منصبی کا خیال رکھتے ہوئے اِس بات کے لئے کوشاں رہنا چاہئے کہ وہ انسانیت کی تعمیر و اصلاح میں اپنا مقدور بھر حصہ ادا کرے۔ آپ کے مطابق ادب کو محض جنسی خواہشات کی پذیرائی اور تکمیل تک ہی محدود رکھنا غیر صحت مند روش ہے بلکہ قوم کے حق میں ایک سمِ قاتل کے مترادف ہے جس کا اشارہ آپ کے ہاں یوں دیکھنے کو ملتا ہے۔

ہند کے شاعر و صورت گر و افسانہ نویس
آہ بے چاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار

گونی کے ہاں یہی موقف یوں اظہار کا جامہ پہنا ہوا نظر آتا ہے:۔

- وہ اہلِ دِل کہاں کے، اہلِ ہوس ہیں جن کا
  محدود ہے تصور محبوب کے بدن تک
- سب بال و پر و فقر و مردانگی و دانش
  جل جاتے ہیں عورت کے پہلو کی حرارت سے

گوہر نے غزلیات اور نظمیں دونوں میں طبع آزمائی کی ہے۔ آپ کے ابتدائی مجموعہ کلام میں غزلیات کا حصہ زیادہ ہے اور آپ کی ان غزلیات میں لہجہ اور ہیئت کے اعتبار سے اقبال کی غزلوں کی ہی طرح کا رنگ جھلکتا ہوا نظر آتا ہے۔ الفاظ وتراکیب اور اوزان میں بھی ایک مانوس طرح کی سی مماثلت دکھائی دیتی ہے۔ اقبال کی بیشتر غزلوں میں ایک ہی خیال کبھی کبھی غزل کے تمام اشعار کو باہم مربوط کر دیتا ہے جس کی بدولت غزل ایک جامع اور مستحکم قوت بن کر ایک دیرپا تاثر قائم کر دیتی ہے اور غزل کے یہ اشعار، جن میں مانوس طرح کا ربطِ باہم موجود ہے:

صحرا ہے جنوں اپنا، غم راہ گزر اپنی
دل اپنا سمندر ہے، آکاش نظر اپنی

سرگرم عمل انساں لمحات پہ حاوی ہے
رُک جائے تو شام اپنی، چل دے تو سحر اپنی

آنا بھی اچانک ہے، جانا بھی اچانک ہے
ہنگامۂ ہستی میں ہے کس کو خبر اپنی

درویش بناتی ہے شہزادہ فطرت کو
سرمستی و لب خیزی یا آہِ سحر اپنی

تو پوچھتا ہے مجھ سے میں پوچھتا ہوں تجھ سے
مجھ کو نہ یقیں آیا، تجھ کو نہ خبر اپنی

آپ کی اس طرح کی کئی غزلیں ارتقائی مدارج طے کرتے ہوئے نغمہ وآہنگ کا سارا روپ دھار لیتی ہیں۔ گوہر اپنی غزلوں میں اقبال ہی کی طرح زمینوں کا انتخاب کرتے ہیں اور اسی طرح کے ردیف اور قافیوں کو بروئے کار لاتے ہیں۔

میری نگاہِ شوق میں حاصل عمرِ بے ثبات
صحنِ حرم کا ایک دن، غارِ حرا کی ایک رات

☆

مستئ عشق ہے نہ عقلِ سلیم!
کیسے ممکن ہے کوئی کارِ عظیم

☆

کیا تیری حقیقت ہے اے گنبدِ مینائی
آواز کے مالک کو آواز ہی لوٹائی

☆

بو علی ہے نہ کوئی رازی ہے
مردِ بیمار سا نمازی ہے

☆

ہے جس کے عناصر میں دلداری و مولائی
شہزادہ فطرت ہے، شہری ہو کہ صحرائی

اقبالؔ کی شاعری میں جس طرح کے موضوعات اور خیالات کی تجسیم کاری موجود ہے، اُس کا عکس گوہرؔ کے ہاں بھی پوری آب و تاب کے ساتھ دیکھنے کو ملتا ہے۔ مِثال کے طور پر غزل کے یہ اشعار:

تجھ کو نظر آتی ہے کمین گاہ، نہ صیاد
درپیشِ حرم خطرۂ صیہونی و الحاد

☆

اس کے نفس نفس میں ہے تابِ نشورِ باقیات
کُفر ہے، کُفرِ شکوۂ تنگیٔ عرصۂ حیات

☆

میری زبان یہ، وہ سخن جن کی سزا صلیب ہے
تیرے گلو میں خشک ہے موجۂ قلزمِ حیات

☆

مسجد و خانقاہ میں طورِ طریقِ سومنات
بزمِ جہاں میں سرنگوں اُمت فخرِ کائنات

☆

اِن کو راس آگئی اہلِ حرم کی سادگی
صوفی و شیخِ فتنہ گر ماہرِ علمِ نفسیات

اقبالؔ یہ کہہ کر کہ:۔

پیرِ رومی را رفیق راہ ساز
تا خدا بخشد ترا سوز و گداز

مولانا جلال الدین رومیؒ کو تلاشِ حق کے لئے اپنا پیر و مُرشد گردانتے ہیں۔ گوہیؔ کے ہاں یہی یہ مژدہ ہمیں یوں دیکھنے کو ملتا ہے:۔

خود شناسی، حق شناسی برطریقِ مُصطفےٰ
ہم نے سیکھا ہے یہی کچھ رومیؔ و اقبالؔ سے

اقبال پیغمبرِ اسلامؐ کے اِس فرمود ''الفقر وفقری'' سے مُستفیض ہو کر اور اس پر عمل پیرا ہو کر اعتدال پسند اور خودداز زندگی گزارنے کے روادار ہیں اور اس کا یوں خلاصہ کرتے ہیں:

میرا طریق امیری نہیں فقیری ہے
خودی نہ بیچ، غریبی میں نام پیدا کر

گوہیؔ کے ہاں بھی اقبالؔ ہی کی طرح دنیوی جاہ وحشم کے لئے کوئی تشنگی نظر نہیں آتی اور اللہ تعالیٰ سے صرف ایمان وعافیت کی التجا کرتے ہوئے یوں اپنی بے نیازی کا اظہار کرتے ہیں:۔

ہم نے تو دِل سے کیا اپنے لئے فقر قبول
مانگ لیتے تو خُدا جاہ و حشم دے دیتا

یا یہ اشعار جن میں قران حکیم کی ضیا پاشیوں سے سرفراز ہو کر اپنے موقف کا یوں اظہار کرتے ہیں:

حشمتِ مقداد و سلماں سادگی
احتشام شاہِ مرداں سادگی
سادگی ایمان و ایماں سادگی
حرزِ جاں ژرف نگہباں سادگی
ملتِ بیمار سُن تیرے لئے
موت ہے اصراف درماں سادگی
شرح و تفہیم و تفاسیر و بلاغ
سب تکلُف اور قرآں سادگی

اور کبھی اپنی بے نیازی کا یوں ذکر کرتے ہیں:

فقیرِ مرد نے کب خلعتوں کی خواہش کی
طلب رہی نہ کبھی شہرت و ستائش کی

گونی ایک دیدہ آگاہ دانشور ہیں اور اقوامِ عالم میں وقوع پذیر ہونے والے سیاسی، اقتصادی اور معاشی حالات و واقعات پر پوری طرح سے نظر رکھے ہوئے ہیں۔ مادی تحریص، نیوکلیائی جارحیت، فلسطین اور دیگر عرب ممالک میں کُشت وخوں کی وارداتیں، مغرب کا تیل کے ذخائر پر بے جا تصرف کی سعی اور اُمت مسلمہ میں باہمی اتحاد کا فقدان اور غفلت شعاری جیسے موضوعات آپ کے پورے کلام میں شرر افشانی کرتے ہوئے ہمیں متوجہ کرتے ہیں جن کا اظہار آپ اقبال کے ہی بھرپور لہجے میں کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مثال کے طور پر ذیل کے اشعار:

- باعثِ تشویش عالم وحشتِ افرنگ ہے — تر بہ تر خونِ فلسطیں سے زمین ایشیا
- خطرۂ صیہونیت، یورشِ الحاد بھی — اس پر طرہ خود مسلمان ہے مسلمان کا حریف

- قتلِ منصور سے ہے بڑھ کر المناک یہ بات
لوگ پہناتے ہیں غدار کی تصویر کو ہار
- تاریخ کا سرمایہ شاہکار شہادت ہے
اسلام کا دشمن بھی شبیرؑ کا قائل ہے
- مسلمانوں کا یہ حالِ زبوں ہے
قصور اپنا، شکایت ہے خدا سے
- ہیں محوِ خواب، جن کا پٹرول جل رہا ہے
دشمن کا کارخانہ دن رات چل رہا ہے
- جن سے اقوام کی عزت بھی خریدی جائے
ایسے قرضے بلاسود ہوا کرتے ہیں
- بلادِ غیر میں اسلام رونما نہ ہوا
نہیں تھا کوئی نمایندہ مولوی کے سِوا

گوہرؔ اور اقبالؔ کے ہاں ایک اور قدر مشترک ہے۔ اقبالؔ بھی کشمیر الاصل ہیں اور کشمیر سے بے پناہ لگاؤ کا اظہار کرتے ہیں اور کہتے ہیں: ع

تنم گلے زِ خیابانِ جنتِ کشمیر

آپ جہاں کشمیر کے دلاویز فطری حُسن، لالہ زاروں، نشاط و شالیمار، وادی لولاب کے شفاف جھرنوں، آبی ذخائر، یہاں کی تہذیبی ہم آہنگی، آپسی بھائی چارے اور یہاں کے لوگوں کی ذہانت و فطانت اور علمی صلاحیتوں کے مداح ہیں، وہیں آپ شخصی راج کی غلامی اور افلاس و بیچارگی سے دل برداشتہ ہیں۔ گوہرؔ گورگانی جو پروردۂ کوہسار اقبالؔ ہی کی طرح کشمیر کے بارے میں اپنی بے لوث اُنسیت کا اظہار کرتے ہیں: ے

دریائے رنگ و بو میں رہے موردِ عتاب
کیوں ارضِ کاشمیر تیرے لالہ و گلاب

☆

کیا ہوا مادرِ کشمیر سرودِ جہلم!
تیرے جھرنے، تیری جھیلیں تیرے دریا ہیں سراب

اقبالؔ بھی نیم خواندہ کشمیریوں کی ضعیف الاعتقادی کے بارے میں حرف گیری کرتے ہیں اور کہتے ہیں: ے

کشیری کہ با بندگی خو گرفتہ　　بُتے مے تراشد زِ سنگِ مزارے

گوتی اگرچہ کشمیر کو اپنے گوشہ دل میں بسائے ہوئے ہیں لیکن گاہے گاہے آپ کو بھی اس بات کا قلق ہوتا ہے کہ بُزرگانِ دین جن اسلامی تعلیمات کا پیغام لے کر یہاں آئے، یہاں کے مسلمان اُس پر پوری طرح سے عمل پیرا نہیں ہیں اور دین کی اصلی روح کو سمجھنے کے بجائے زیادہ رسموں اور دکھاوے کی عبادت کے قائل ہو گئے جس کی وجہ سے یہ لوگ طرح طرح کی مشکلات اور مصائب سے دوچار ہو جاتے ہیں۔ آپ مسلمانوں کی اس دانستہ جہالت کو دیکھ کر اقبال کے ہی انداز میں شکوہ بہ لب نظر آتے ہیں:

- پوچھتے ہیں مردکِ کشمیر سے میرِ کبیرؒ　　کس لئے روتا ہے نالائق میری درگاہ میں
- اس طرزِ تمدن سے بیزار و پریشاں ہیں　　کیا سیدِ ہمدانیؒ، کیا حضرتِ نورانیؒ
- سادہ لوحوں کی ارادت پر تعجب ہے مجھے　　مر رہے ہیں مرشدِ گمراہ کے ارشاد پر
- میرے کشمیر میں بازیگروں سے　　مسلمانوں کو ہے اندھی عقیدت

☆

گوتی کی منظومات میں بھی، موضوع، ہیئت اور مواد کے لحاظ سے اقبال سا ہی انداز ہے۔ اگرچہ اقبال نے کافی طویل نظمیں بھی کہی ہیں لیکن گوتی کی بیشتر نظموں کا آہنگ بھی اقبال کی نظموں کے مماثل دکھائی دیتا ہے۔ مثال کے طور پر آپ کی ''روحِ کائنات'' نظم کے یہ چند اشعار:

جذبۂ ادراکِ بوذرؓ موردِ قہر و عتاب
عقل و دل کے درمیاں دیوار تفسیرِ کتاب
ابتدائے دہر سے حرکت میں روحِ کائنات
دم بہ دم لحظہ بہ لحظہ کارفرما انقلاب

آپ کی ایک اور نظم جو ''تصلیبِ مسیحائی'' کے عنوان سے موجود ہے۔ اقبال کی نظم ''لالۂ صحرائی'' کی طرح کا زیر و بم رکھتی ہے۔ مثال کے طور پر یہ چند اشعار:

درویش کی نظروں میں تصلیبِ مسیحائی | کیا عظمتِ اسکندر، کیا حشمت دارائی
اک لالۂ کشمیری کہلاتا ہے صحرائی | ہے اس کا جنوں شاید بیزارِ شناسائی
تو دیکھتا ہے سب کچھ اے گنبدِ مینائی | کیوں صاحبِ کُرسی ہے، خاموش تماشائی
اک رِند کا کہنا ہے لوگوں کی طبیعت میں | ہنگامہ پرستی ہے یا معرکہ آرائی

بقول جناب محمد یوسف ٹینگ:

''گوَنی کی نظمیں اور غزلیں اقبالؔ کے آخری مجموعہ ہائے کلام ضربِ کلیم اور ارمغان حجاز کا تسلسُل اور توسیع لگتی ہیں۔''

(دیباچہ۔گلبانگِ کاشمیر۔محمد یوسف ٹینگ)

اقبالؔ کبھی ایسے نیم خواندہ ''شیوخ اور ناصحین'' کو بھی اپنی تنقید کا ہدف بناتے ہیں جو آیاتِ مُبینات کی تفسیر میں قیاس آرائیوں سے کام لے کر خود ساختہ تاویلیں پیش کرتے ہیں جن کا نفسِ موضوع سے دُور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا اور سادہ عوام کو یوں ہی لُبھاتے ہیں۔ اقبالؔ ایسے شارحین کے خلاف یوں انگشت بدنداں ہو کر طنز و احتجاج کرتے ہیں:

زِمن بر صوفی و مُلا سلامے | کہ پیغامِ خدا گفتند مارا
ولے تاویلِ شاں درحیرت انداخت | خُدا و جبرئیل و مصطفےٰؐ را

☆

احکام تیرے حق ہیں مگر اپنے مُفسر | تاویل سے قران کو بنا سکتے ہیں پاژند

گوَنی کے ہاں طنز وظرافت کا پہلو ذرا زیادہ گہرا اور توجہ طلب نظر آتا ہے۔ بقول جناب محمد یوسف ٹینگ:

''گونی کے ہاں حسیات اور لفظیات تو اقبالؔ کی ہیں لیکن اِن کے مزاج میں ایک حِس لطیف کا شرارہ بھی ہے جو اِدھر اُدھر جھولتا ہے تو ایک بزمِ چراغاں کا منظر پیش کرتا ہے۔''

- سرِ منبر تو واعظ جھومتا ہے　　مگر پیشِ محاسب تھرتھرائے
- اس قدر انصاف تو ہوگا شہیدِ عشق سے　　کچھ قرابت دار آ کر خوں بہا لے جائیں گے
- پاسبانِ صحنِ زنداں کا خیالِ خام ہے　　لومڑی سے شیر کے بچے سنبھالے جائیں گے
- دل اور عمل اور نظر اور زباں اور　　اس درجہ ہے فرمائشِ کردار کہاں اور
- اب طرزِ طریقت میں فقط آہ و فغاں ہے　　خوش آج مسلماں سے خُدا ہے نہ پیمبر
- ضبطِ تولید و قیودِ ازدواج و خواہشات　　تین بچے، ایک بیوی، داشتائیں پانچ سات
- کچھ ناز نہیں دولتِ اسلام پر اِن کو　　پٹرول کی بہتات ہے، مغرور عرب ہے

گوتی اپنے حصولِ روزگار کے سلسلے میں بھی اقبال ہی کی طرح پوری عمر وکالت کے پیشے کے ساتھ وابستہ رہے۔ اپنی شاعری میں بھی آپ کسی تخلص کے احسان مند نہیں ہوئے بلکہ اقبال ہی کی طرح اپنے اصلی نام کو برتا۔ اس بات میں ذرا بھی دو رائیں نہیں کہ گوتی ہماری ریاست کے اُردو ادب میں ایسے سخنور ہیں جو علامہ اقبال کے شعری اسلوب، فکر و فلسفہ اور کلام سے سب سے زیادہ متاثر ہیں۔

گوئنؔی اور کشمیر

گوئنؔی گورگانی یوں تو صوبۂ جموں کے خوبصورت علاقہ بھدرواہ سے تعلق رکھتے تھے لیکن جب آپ کشمیر کی بات کرتے ہیں تو اس سے مُراد پورا جموں اور کشمیر کا خوبصورت علاقہ ہوتا ہے، جو آپ کی شاعری کا خاص محور ہے، جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کے تمام مجموعہ ہائے کلام یعنی ''ارمغانِ کاشمیر''، ''زمزم سے جہلم تک'' اور ''گلبانگِ کاشمیر'' کشمیر کے نام کی ہی خوشبو لئے ہوئے ہیں۔

تمام اصنافِ سخن غزلیات، قطعات اور منظومات میں ہر جگہ کہیں براہ راست اور کہیں بلاواسطہ کشمیر کا ذکر پایا جاتا ہے۔ اگر آپ کے کلام میں موجود صرف کشمیر کے حوالے سے ہی موزون کردہ اشعار کو ایک جگہ پر مجتمع کیا جائے تو ایک اچھا خاصا گلدستہ تیار ہوسکتا ہے۔ کشمیر آپ کی رگِ جاں ہے اور کشمیر کی تہذیبی، تمدنی اور ثقافتی روایات، یہاں کے باشندوں، یہاں کے مسحُورکن فطری حُسن اور بے مِثال آب و ہوا کے ساتھ بے پناہ محبت اور لگاؤ رکھتے ہیں۔

کشمیر صوفیوں، سنتوں، ریشیوں اور اولیائے کرام کی آماجگاہ رہا ہے۔ آپ کو یہاں کی شاندار تہذیبی روایات، یہاں کے لوگوں کی رواداری، مہمان نوازی، باہمی میل جول اور وحدت پر فخر حاصل ہے۔ اسی لئے جب آپ کشمیر کا ذکر کرتے ہیں تو بہت ہی تکریم و احترام کے ساتھ کرتے ہیں۔ آپ حرمینِ شریفین اور کربلا و نجف کے بعد اگر کسی جگہ کو روحانی نفاست اور انسان دوستی کے اعتبار سے محترم جانتے ہیں اور قدر افزائی کرتے ہیں تو وہ کشمیر ہے۔ جس کا آپ یوں

ذکر کرتے ہیں:۔

بعد حرمین و کربلا و نجف
محترم ارضِ کاشمیر شریف

☆

عشق ہے میرا متاعِ زندگی
وادی کشمیر و جموں کی قسم

اور کبھی جذبات محبت میں یہاں تک کشمیر کی قدر و منزلت بڑھانے کے متمنی ہو جاتے ہیں:۔

دل چاہتا ہے اکثر دشتِ عرب سے گوتیؔ
حرمین کو اُٹھا کر کشمیر میں سجادوں

گوتیؔ کو یورپ، چین، بدخشاں اور کاشغر جیسے خوبصورت ممالک بھی کشمیر کے قدرتی حُسن کے آگے ماند پڑتے ہوئے نظر آتے ہیں، اور یوں نغمہ پیرا ہیں:۔

نظیرِ جنتِ کشمیر میری نظروں میں
فرنگ و ژنگ و بدخشاں و کاشغر بھی نہیں

یا یہ اشعار ملاحظہ ہوں جن میں آپ کشمیر کی فضا کو جنت کی فضا کے مماثل قرار دیتے ہیں۔ آپ اپنے دل کو فدائے پیغمبرؐ اور اپنی جان کو شیفتۂ کشمیر کہہ کر اپنی اس والہانہ محبت کا یوں اظہار کرتے ہیں:۔

ے سراید رُوح من ایں نغمہ ہائے سرمدی
دِل فِدائے مصطفٰےؐ و جاں فِدائے کاشمیر
چھوڑ کر جاتے کہاں لیکن فضائے کاشمیر
ہم کو مل جاتی اگر جنت بجائے کاشمیر

شاعر کو جب بھی کشمیر کی یاد آتی ہے تو آپ تمام علائق سے لاتعلق ہو کر کشمیر کی یاد اور

محبت میں کھو جاتے ہیں اور اس کی خوشحالی کے لئے دُعا بہ لب ہو جاتے ہیں:

● اغیار نہ احباب نہ املاک نہ اولاد
کچھ بھی تو بجز مادرِ کشمیر نہیں یاد

● ہے لبِ شاعر پہ ہر لحظہ دعائے کاشمیر
درگزر ہو جائے گی آخر خطائے کاشمیر

شاعر جب کبھی کاروبارِ حیات کی مصروفیات کے سبب کشمیر سے دور ہوتا ہے، تو کشمیر کا خیال اس کے دِل میں، خوشبو کی مانند سمو کر اسے بے قرار اور مُشکبار کرتا ہے:

● گوئی مثالِ نِکہت گُلزار خُلدِ رشک
رہتا ہے صبح و شام پریشاں تیرے لئے

کشمیر کے لوگوں کی شرافتِ نفسی، امن پسندی اور جوانمردی کا کبھی یوں مِلا جُلا اظہار کرتے ہیں:

کیا ہمارے نوجواں احرار نے
اکبرِ اعظم کو للکارا نہ تھا
ہم لڑائی جیت کر پسپا ہوئے
اک مسلسل جنگ کا یارا نہ تھا

گوئی کسی وقت مبالغے کی حد تک کشمیر کے فطری حُسن کی تائید میں رطب اللسان ہو جاتے ہیں اور یہاں کے گاؤں کو گوشۂ فردوس کے مترادف قرار دیتے ہیں۔ مِثال کے طور پر یہ اشعار:

● جب راحتِ دو عالم دنیا میں میسّر ہے
فردوس کو کیا نسبت کشمیر کے گاؤں سے

- پنہائے شش جہات میں لاریب اے نظر
جنت کے بعد وادیٔ کشمیرِ بے نظیر
- یہی ہے غازۂ رُخسارِ مادرِ کشمیر
لگی ہوئی ہے جو مٹی مری جبین کے ساتھ

(نظم فیضانِ دستگیرؒ)

شاعر کو تاریخ کا گہرا مطالعہ ہے اور کشمیر کے اُس دور کی یاد کو بھی تازہ کرتے ہیں جب یہاں پر علم وادب کا دور دورہ تھا، خاص کر جب یہاں شہمیری دور میں فارسی زبان وادب کا غُلغلہ رہا اور باہر کے ملکوں سے اہلِ دانش آکر یہاں کے لوگوں کی علم وادب کی پیاس بجھاتے رہے اور اپنے علم وادب کے جوہر دکھاتے رہے۔

گونؔی کا کشمیر کے ساتھ رشتہ کوئی وقتی یا رسمی نہیں بلکہ یہ جسم و جان کا رشتہ ہے۔ آپ یہاں کے لوگوں کے حالات سے پوری طرح سے باخبر ہیں اور اِن کے دُکھ درد میں برابر کے شریک ہیں۔ کشمیر کو پوری دُنیا میں ایک نمونہ کے طور پر دیکھنا چاہتے ہیں اور یہاں کے لوگوں کو خوش حال یا عزت اور امن و دوستی کے ساتھ سرشار دیکھنا چاہتے۔ آپ کی اس بے لوث محبت کا ذکر آپ کے ہاں یوں دیکھنے کو ملتا ہے:

میرا پندار نہیں کُرسی و شیشم کے لئے
میرا پندار نہیں رختِ بریشم کے لئے
میرا پندار جگر گوشۂ کشمیر ہوں میں
میرے افکار، گُل و لالہ و شبنم کے لئے

☆

کشمیر سے ملے ہیں مجھ کو دماغ و دِل بھی
آرامِ جاوداں بھی، آزارِ مُستقل بھی

گوہّرؔ صاحب کے حسِ ادراک میں بہت ہی وسعت اور گہرائی پائی جاتی ہے اور دعوتِ سعی عمل کا جذبہ کارفرما ہے۔ آپ یہاں کی ہر چیز کو آراستہ و پیراستہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ آپ یہاں کی آنے والی نئی نسل کو اعلیٰ تعلیم و تربیت کے حصول کے ساتھ ساتھ اخلاق آموزی سے بھی بہرہ ور دیکھنا چاہتے ہیں اور عصری بے راہروی سے دامن بچانے کی تاکید کرتے ہیں۔ دخترِ کاشمیر کو آپ پوری دُنیا میں پیکرِ حُسن کا نمونہ سمجھتے ہیں۔ بشرطیکہ اس کو اخلاقی تربیت کے سامان میسر ہوں:

اِس کو اگر نصیب ہوں سیرت و خلقِ مومنات
دخترِ کاشمیر ہے پیکرِ حُسنِ کائنات
شہزادۂ کشمیر ہے پھر شوخ تنومند
خیاط نے رکھا مگر بندِ قبا تنگ
ارضِ کشمیر کے مسلماں کو
فقر و اندازِ بوتُراب آئے

گوہّرؔ کشمیر کے ارضی حُسن، یہاں کے لوگوں کی ذہانت وفطانت پر نازاں ہیں۔

گوہّرؔ کے خیال میں جغرافیائی دوریاں، وطن کی محبت میں حائل نہیں ہوسکتی ہیں۔ کشمیریوں کی ایک مشترکہ تہذیبی روایت اور باہمی میل ملاپ ہے۔ کشمیری چاہے دنیا کے کسی کونے میں تلاشِ معاش کی خاطر گزراوقات کررہے ہوں، یا گردشِ ایام نے اُنہیں کسی سبب سے باہر رہنے پر مجبور کیا ہو، وہ کسی بھی صورت میں کشمیر کی محبت کو بُھلا نہیں سکتے۔ وہ اپنے ایک عزیز دوست، محمد خیرات ابن رسا[1] جو تقسیم ملک کے بعد دیارِ غیر میں متمکن ہوا، کے ایک خط میں محبت کی اِس خوشبو اور دھڑکن کا یوں احساس دلاتے ہیں:

کل رات جو خط آیا
خیراؔت نے لکھا تھا

---

[1] رسا جاودانی کے فرزند جو مہاجرت کے بعد سرحد پار مقیم ہو گئے۔

لاہور میں سوتے ہیں
کشمیر میں ہوتا ہوں

گوتی کے کلام میں چناب دریا کی سی روانی اور بہاؤ ہے جس میں ایک زوردار پیامی پہلو بھی مُضمر ہے۔ آپ کشمیر میں رُوحانی قدروں کی بہار دیکھنے کے متمنی ہیں اور کبھی شاعرانہ تعلّی پیش کرتے ہوئے یوں اظہارِ تمنا کرتے ہیں:۔

کہتے ہیں کہ کشمیر میں اک پھول کھِلا ہے   پھیلائے گا جو نکہتِ یثرب کو عجم میں
اقبال کا فرزند ہے، تلمیذِ خُدا ہے   کیا پوچھتے ہو شاعرِ بیباک کی نسبت

یا یہ شعر:

عشق سے بوئے اضطراب آئے   حُسنِ کشمیر پر شباب آئے

گوتی کشمیر کی جغرافیائی وحدت اور تہذیبی یگانگت کو مضبوط سے مضبوط تر دیکھنا چاہتے ہیں اور اس میں کسی کوتاہی یا کمی کو ناقابلِ برداشت گردانتے ہیں۔ آپ لسانی اشتراک کے اعتبار سے کمراز، مراز اور سیراز (وادیٔ چناب) کو ایک گُلستانِ خوش رنگ کی طرح یکسان طور پر پھلتا پھولتا اور یہاں کے ادبی سرمایہ کو موتیوں کی مانند ایک رنگین مالا میں پرویا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں۔ اور اس میں کسی تفرقہ آرائی کو گوارہ کرنا نہیں چاہتے:۔

طائرِ اوجِ کُہستانِ سیراز   باشکوہ طغرل و شاہین باز
درمیانِ اہلِ کمراز و مراز   جستجوئے صاحبِ تاریخ ساز

☆

● جب وحدتِ گلشن کو اندیشۂ دشمن ہو
ہر ذرۂ وادی کو کشمیر سمجھتا ہوں
● حالات کے مہیب سمندر کے بیچ میں
گوتی کھڑے رہیں گے اکیلی چٹان سی

● میں اپنے ارادوں میں پنجاب سے اونچا ہوں
میں اپنے خیالوں میں جہلم سے بھی گہرا ہوں

● جھگڑتا کیا طریقِ بندگی پر!
یہی فہمائشِ الکافروں ہے

● ساکنانِ کاشمیر و ارضِ جموں سوچئے
دوستی کیا دوستی ہے گرم جوشی کے بغیر

گویا آپ نئی پود کو اپنی شاندار روایات سے باخبر رکھنا چاہتے ہیں اور ایک کامیاب زندگی گزارنے کے لئے عصری علوم کے ساتھ ساتھ بزرگانِ دین کی سکھائی ہوئی اخلاقی رواداری اور روحانی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کرتے ہیں۔ یہ بات آپ کو ناگوار گزرتی ہے کہ کچھ لوگ اب بھی اپنی جہالت کی بنا پر توہمات کے شکار ہیں اور فقر وغنا کی نعمت سے محروم ہیں۔ آپ کو یہ بھی شکایت ہے کہ ماضی میں دیر تک سیاسی پامالیوں کے سبب کشمیری اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کے باوصف احساسِ کمتری کے شکار ہیں اور اس میں آپ اِن کے وسائل کی کمی کو بھی ایک سبب گردانتے رہے ہیں۔ اِن تمام مِلے جُلے احساسات کا اظہار آپ کے ہاں یوں اشعار کی صورت اختیار کر لیتا ہے: ؎

● خود فروشی حد سے گزری خام کارِ ناخلف
ہو رہا ہے ورثۂ کشمیر سے محروم تو

● بے چراغ و بے سرور حجرۂ میرِ کبیرؒ
ہر طرف ہے اہتمامِ محفلِ عیش و طرب

آپ کشمیریوں کو یہ عندیہ دیتے ہیں کہ جہلم کے کناروں پر رہتے ہوئے اُن کو دریا کی لہروں سے ایک متحرک زندگی گزارنے کا درس حاصل کرنا چاہئے تھا، اور اپنے اندر بیداری کا جذبہ پیدا کرنا چاہئے: ؎

● اے دوستِ بے نیاز غمِ کاشمیر سے
کیا سیکھتا رہا ہے امیرِ کبیرؒ سے

شاعر کبھی کبھی ایک دیوانہ وار عاشق کی طرح کشمیر کی محبت میں ضبط و شکیبائی کی حدود کو پھلانگتے ہوئے نظر آتا ہے۔ ایسے میں اسے لوگوں کے ہدفِ تنقید بننے کا خدشہ بھی ہونے لگتا ہے۔ جس کو آپ یوں بیان کرتے ہیں:

● فسردہ شاعرِ کشمیر گوہرؔ جسے شعلہ نوا مانا گیا ہے

گوہرؔ شعوری طور پر ایک بالغ نظر اور بے لوث فرزندِ کشمیر ہیں۔ آپ جان و دل سے کشمیر کی خوشحالی اور ترقی کے متمنی ہیں۔

ہمارے ہاں پوری اُردو اور کشمیری شاعری میں کسی شاعر کے ہاں کشمیر کے حوالے سے اس قدر جامعیت اور محبت و خلوص کے ساتھ سخن سرائی دیکھنے کو نہیں ملتی، جتنا کہ گوہرؔ صاحب کے ہاں موجود ہے جو آپ کو بلا مبالغہ کے شاعرِ کشمیر کہلانے کا حق دار بناتی ہے: ع

یہ جسم و جاں کشمیر کے لئے ہیں
قلب و جگر سپردِ خاکِ حجاز ہوں گے

......❖......

گوئٹے اور عشقِ رسولؐ

میرا کلام حرفِ پیغمبر سے مستعار
مانا میرے وجود میں اک فلسفی بھی ہے
(گوئٹے)

کسی سخنور اور صاحبِ قلم کے نظریہ وعقیدہ اور فکر وفن سے متعلق صحیح اندازہ اُس کے کلام کے مطالعہ اور اُس کلام کے داخلی شواہد کی بنا پر ہی لگایا جاسکتا ہے۔ اِس لئے غیر ضروری مباحث سے ہٹ کر اُس کے کلام کو ہی مرکزِ توجہ بنا کر زیادہ مُفید نتائج اخذ کئے جاسکتے ہیں۔

گوئٹے ایک فلسفی شاعر ہیں جن کی تاریخ اور قانون کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ مختلف مذہبی علوم پر بھی نظر ہے۔ آپ کو اسلامیات، قرآن واحادیث کا بھی قابل قدر مطالعہ ہے اور اس پر عمل پیرا ہونے کے لئے آپ اپنا پورا زورِ قلم صرف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ گوئٹے اپنی شاعری کو محض ذہنی تفریح کا ذریعہ نہیں سمجھتے بلکہ اسے ع - جُزویست از پیغمبری کے مترادف قرار دے کر اِسے تعمیرِ انسانی اور فلاحِ ملت کے لئے برتنے کے طرف دار ہیں۔ گوئٹے کا اقبالؔ کے ساتھ ایک مشترک اظہاری سانچہ ہے۔ قرآن حکیم کو آپ پوری دُنیا کی رہنمائی اور فلاح کے لئے ایک جامع دستورِ حیات اور پیغمبرِ اسلامؐ کی ذات والا صفات کو پوری انسانیت کے لئے ایک رہبرِ کامل اور مکمل نمونہ حیات کے طور پر تسلیم کرتے ہیں۔ آپ علامہ اقبالؔ کے اِس موقف کے طرف دار ہیں کہ:۔

● آں کتاب زِندہ قرآن حکیم — حِکمت او لایزال است وقدیم
● نوع انسان را پیامِ آخریں — حامل او رحمۃً للعالمین ؐ
● گرتو مے خواہی مُسلماں زیستن — نیست ممکن جز بہ قرآن زِیستن

اور پھر:

بہ مُصطفےٰؐ برساں خویش را کہ دیں مہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بُولہبی است

گوئٹے کے کلام میں عشقِ رسالت مآبؐ کے ابعاد کی خوشبو کو پورے تزک واہتمام کے ساتھ مختلف سطحوں پر لہراتے ہوئے دیکھا جاسکتا ہے۔ آپ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ والا صفات اور شانِ جلالت مآب پر جان ودل سے فریفتہ نظر آتے ہیں اور آنجنابؐ کے نقوش ہائے قدم کو اپنے لئے اور پوری کائنات کے لئے مشعلِ راہ اور سُرمہ بصارت گردانتے ہیں۔ آپ کے خیال میں آنجنابؐ کی ذاتِ بابرکت موجبِ تخلیقِ کائنات ہے، مہ خورشید، زہرا وثریا آپ کے نقوشِ پا کی بدولت ضیابار ہیں اور جہانِ رنگ وبو کی زینت آپ کے ہی جلوہَ ایثار کی مرہونِ منت ہے۔ آپ اپنے جذبات واحساسات کو آنجنابؐ کی محبت سے مُشکبار سمجھتے ہیں اور اسی فیضانِ محبت کا ثمرہ جانتے ہیں۔ جذباتِ عقیدت کی یہ شگفتہ بیانی آپ کے اشعار میں یوں ڈھلتی ہوئی نظر آتی ہے:۔

مہ و خورشید و زہرا و ثریا — نقوشِ پائے آں دُرِ یتیمے
جہانِ رنگ و بو شاداب گردد — چوں برخیزد زکوئے او نسیمے
فزوں و تازہ از عشقِ محمدؐ — غم و افکار ایں مردِ کلیمے

☆

تمنائے درُودِ مُصطفےٰؐ ہے — یہ سینہ صورتِ غارِ حرا ہے

آپ کے خیال میں عشقِ مصطفےٰؐ کائنات کی آفرینش کا موجب ہے اور تسخیر کائنات کا

وسیلہ ہے اور جو شخص عشقِ رسولؐ کے جذبہ سے سرشار ہے، اُسے دُنیا کے اس ظلمت کدے میں قدم قدم پر روشنی اور رہنمائی حاصل ہوسکتی ہے۔ آپ کے مطابق پیغمبرِ صلعم کے نقشِ قدم پر چلنے والا کبھی مایوسیوں اور ناکامیوں کا شکار نہیں ہوسکتا اور ہر حال میں کامیاب اور کامران زندگی گزار سکتا ہے۔ ایسا شخص کبھی بھی خوف و ہزیمت کا شکار نہیں ہوسکتا ہے اور نہ ہی سچائی کے راستے سے بھٹک سکتا ہے۔ خیالات و عقیدت کی اس گلفشانی کا آپ کے کلام میں یوں مشاہدہ کیا جاسکتا ہے: ع

عالمِ لاہوت کی تسخیر ہے عشقِ رسولؐ عالمِ ایجاد کی توقیر ہے عشقِ رسولؐ
آفرینش خواب ہے تعبیر ہے عشقِ رسولؐ شاہکار کاتبِ تقدیر ہے عشقِ رسولؐ

اور آگے چل کر مزید یوں فرماتے ہیں:

آفرینش کی مراد عشقِ رسولؐ تا قیامت زندباد عشقِ رسولؐ

آپ کا یہ غیر متزلزل عقیدہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لانے والا کبھی گمراہ نہیں ہوسکتا اور یہی اصل ایمان کی جڑ ہے۔ عشقِ رسولؐ کا جذبہ دُنیوی اور اُخروی زندگی میں کامیابی اور سرخروئی حاصل کرنے کی ضمانت ہے۔ عقیدت کی یہ گل باری آپ کے ہاں یوں دیکھی جاسکتی ہے:

احتشام انفراد عشقِ رسولؐ ساز و برگِ انعقاد عشقِ رسولؐ
صحنِ کعبہ کی سواد عشقِ رسولؐ قصرِ ایمان کا عماد عشقِ رسولؐ
ظلمتوں میں آئینہ دارِ حیات اُمت ہندی نژاد، عشقِ رسولؐ

گوئیؔ صحابہ ہائے کرام کی مثالیں پیش کرتے ہیں کہ کس طرح صحابہ ہائے کرام فرموداتِ رسولؐ پر ہر وقت مر مٹنے کو تیار رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے پے در پے دُنیا میں فتوحات کے جھنڈے گاڑے اور اسلام کی تعلیمات کو کونے کونے تک پہنچایا۔ آپ موجودہ زمانے میں مسلمانوں کی مغلوبیت اور لاچارگی کا سبب صرف اسلامی تعلیمات سے دوری اختیار کرنا سمجھتے ہیں، جب ہی آپ فرماتے ہیں:

اِن کروڑوں نمازیوں میں اگر — اک صحابہ کا حوصلہ ہوتا
ساحلوں کے منافقوں کے سمیت — دشمنوں کو بھگادیا ہوتا

گوپیؔ کے بیشتر اشعار کے حرف وصوت اسی عشقِ محمدیؐ کی خوشبو سے معطر نظر آتے ہیں۔آپ کے مطابق بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے لئے اسلام جو پیغام لے کر آیا اُس پر داعی اسلامؐ نے پہلے خود عمل کیا،اور دامن مادر سے لے کر منصب نبوت پر فائز ہونے اور پھر غار حرا سے فتح مکہ تک اس مجسمہءِ رحمتؐ اور رہبر اعظمؐ نے کیا کیا صعوبتیں برداشت کیں اس کا صرف اندازہ ہی کیا جا سکتا ہے اور جب ہی اسلام کی برکتوں کا نور دُنیا کے کونے کونے تک پہنچ پایا۔اس اولوالعزم نبی برحقؐ کے احسان واکرام کے لئے آپ یوں شکر لب نظر آتے ہیں:۔

جس نے دیا تصورِ محشر خیال کو — کتنا عظیم راہبرِ انقلاب تھا
(نظم۔اضطرابِ رشک مجاہدات)

اے حدیثِ مُصطفےٰؐ سے بے خبر — حرفِ مُرسل ہے دِل قرآن پاک

شاعر موصوف انگریز مُصنف پروفیسر کارلائل کا حوالہ دیتے ہیں جس نے سالہا سال تک تاریخ کو کھنگال کر دُنیا کے ایک سو عظیم رہنماؤں کی فہرست تیار کی اور اُس نے اپنی بے لاگ تحقیق کے بعد جس شخصیت کو عالمی تاریخ پر سب سے زیادہ اثرات مُرتب کرنے والا پایا وہ پیغمبر محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔کارلائل نے اپنی کتاب (The Hundred) میں حضرت محمد ﷺ کو پہلے نمبر پر رکھ کر اپنی تحقیق کو زینت بخشی حالانکہ مصنف خود عیسائی مذہب کا پیروکار تھا۔اسی خیال کو گوپیؔ صاحب نے یوں بطورِ حوالہ پیش کیا ہے کہ پیغمبرِ اسلامؐ دُنیا کے راہبر اعظم ہیں:۔

مُصطفےٰؐ مردِ اوّل و آخر — یہ مقولہ ہے کارلائل کا
(نظم۔مردِ اوّل و آخر)

گوپیؔ پیغمبرِ اسلامؐ کی تشریف آوری کو پوری انسانیت کے لئے باعث رحمت وشادمانی

سمجھتے ہیں، کیونکہ آپ کی آمد سے پہلے پوری سرزمین عرب میں ظلم اور جہالت کا اندھیرا چھایا ہوا تھا اور انسان کا جینا محال ہو چکا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے بعد آپ کی تعلیمات کا نور دُنیا کے چپے چپے تک پہنچ گیا اور پوری انسانیت نے راحت کی سانس لی۔ آپ کا عقیدہ ہے کہ دینِ اسلام ایک فطری دین ہے جس پر کاربند رہنے سے انسان کی زندگی پوری طرح سے سنور سکتی ہے اور اس کے اندرون اور بیرون میں ایک خوشگوار انقلاب برپا ہوسکتا ہے۔ اسلامی پیغام کی یہ جھلک آپ کے ہاں یوں لباسِ شعر اختیار کرتی ہے:۔

- حدیثِ مرسل وقرآن کی تلاش مجھے — خلوص وجُرات وایمان کی تلاش مجھے
- حبیب و سیّد و مولائے گوہّر — محمد مصطفٰےؐ صل علیٰ ہیں

شاعر یہ پیغام دینا چاہتا ہے کہ عشقِ رسولؐ کی بدولت انسان میں پاکیزگی، ایمانداری، کفایت شعاری، راست گوئی اور خلوص وجُرات کے اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں:

- کس درجہ خوش مزاج تھے یارانِ مصطفٰےؐ — ایثار بے پناہ مگر آرزو قلیل
- اسلام کا باطن ہے ابوذرؓ کا عقیدہ — اسلام کا ظاہر ہے غمِ حیدرؓ و مقدادؓ
- خود شناسی حق شناسی بر طریق مُصطفٰےؐ — ہم نے سیکھا ہے یہی کچھ رومیؔ واقبالؔ سے

گوہّر، قرآن حکیم کو ایک آفاقی دستور العمل اور اللہ کا کلام مانتے ہیں جو ایک خاص مُدت تک پیغمبر آخر زماں صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتا رہا اور جس کے آیات ومحکمات میں کوئی تبدیلی مُمکن نہیں۔ آپ کے خیال میں ظہورِ اسلام سے پوری دُنیا کو روشنی ملی جس کا اعتراف مشرق ومغرب میں رہنے والے مشاہیر کے ہاں موجود ہے۔ جس سے اپنے قلم کو آپ یوں زینت بخشتے ہیں:۔

اعلانِ صداقت خود شہکارِ بلاغت ہے
قرآن کو قرآن کی تفسیر سمجھتا ہوں

مشرق سے نہیں چڑھتا اسلام کا سورج تو
مغرب کے ستارے بھی تابندہ نہیں ہوتے

گوئٹے کا خیال ہے کہ اگر انسان کا ارادہ نیک ہو تو اُس کو اللہ کی تائید اور مدد حاصل ہوتی ہے۔ لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ آدمی کا نیک کام کرنے کے لئے مضبوط اور مصمم ارادہ ہو۔ اس سلسلے میں آپ ۷۱۱ء کے اُس تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ جب طارق بن زیاد مُسلم سپہ سالار، اپنے بادشاہ کے حُکم کی تعمیل کرتے ہوئے اندلس کے عیسائی بادشاہ راڈرک کا انتقام لینے کے لئے روانہ ہوا جس نے اپنے ہی مذہب کی ایک معصوم لڑکی کو اپنی ہوس کا نشانہ بنایا ہوا تھا اور لڑکی کا باپ مصر کے مُسلم بادشاہ کے پاس فریاد لے کر حاضر ہوا۔ طارق بن زیادؒ اپنے بادشاہ کے حُکم سے سات ہزار فوج لے کر روانہ ہوا اور اندلس کے کنارے پر پہنچ کر دریا کو پار کر کے اُس نے اپنی تمام کشتیوں کو جلا دیا تا کہ کسی فوجی کو واپس لوٹنے کا خیال نہ رہے۔ اس طرح اب آگے موت اور پیچھے دریا کھڑا تھا۔ طارق بن زیادؒ کی فوج اس بے جگری سے لڑی کہ سات ہزار فوجیوں نے اندلس کے بادشاہ کی ایک لاکھ سے زیادہ فوج کو شکست فاش دے دی اور اندلس کے مُلک پر اپنا قبضہ حاصل کر کے اسے اپنی مملکت کا حصہ بنایا جس کی نسبت گوئٹے کے ہاں یہ اشارہ ملتا ہے:

اُس پار توڑ تاڑ کے جبروت کا غرور
اِس پار ظلم تھا تو سمندر کئے عبور
خوفِ مراجعت سے سفینے جلا دیئے
ہونا تھا ہم کنار منازل سے بالضرور

گوئٹے کا دل رنجیدہ ہے کہ خانقاہوں میں بیٹھے ہوئے سجادہ نشین مصلحت کوش ہیں جنہیں صرف اپنے ذاتی مفادات کا خیال ہے اور لوگوں کو دین کی صحیح رُوح کا تعارف کرانے سے قاصر ہیں۔ نقلی پیر، تصوُّف کے نام پر لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں جو خدا بیزاری کو دعوت دینے کے مترادف ہے اور اس پر طرہ یہ کہ یہ لوگ خود کو مسلمان کہنے میں فخر کرتے ہیں، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ

خسارے میں ہیں جس کا ارشاد قرانِ پاک کی سورت والعصر میں موجود ہے۔ آپ کے خیال میں یہ ایک المیہ ہے کہ امام غزالیؒ، عطارؒ، رازیؒ اور فردوسی جیسے مشاہیرِ اسلام کی سرزمین میں غیر اسلامی تہذیب اپنی جڑیں پیوست کرنے کے درپے ہے جس کا آپ یوں اظہار کرتے ہیں:

- سب فقیہانِ خانقاہ نشیں — مصلحت کوش اور زمانہ ساز
- اللہ سے بیزاری بندوں کی ثنا خوانی — اس پر بھی مسلمان کو دعوائے مسلمانی
- ہر طرف کفر ہے اور روبہ تنزل ایماں — یہ چلن سورت والعصر کی تفسیر نہ ہو
- اس طرزِ طریقت میں فقط آہ و فغاں ہے — خوش آج مسلمان سے خدا ہے نہ پیمبر

گو کہ کبھی کبھی اقوامِ عرب کے ساتھ بھی شکوہ بہ لب نظر آتے ہیں۔ آپ کے خیال میں یہ ممالک جو اسلامی دُنیا میں مرکزیت کے حامل ہیں اور تیل کی قدرتی دولت سے بھی مالا مال ہیں، باہمی اتحاد کے فقدان کے شکار ہیں جس کے سبب مغربی ممالک کو ان ممالک میں دخل اندازی کرنے اور ان کے تیل کے ذخائر کو تصرُف میں لانے کے مواقع فراہم ہوتے جا رہے ہیں، جس سے یہ ممالک اقتصادی بحران اور بدحالی کے شکار ہوتے جا رہے ہیں۔ آپ کے خیال میں اسلامی ممالک اسلام کا نمونہ بننے کے بجائے آرام طلبی، غفلت شعاری اور مغرب زدگی کا شکار ہوتے جاتے ہیں جو اُن کے لئے تباہی کا پیش خیمہ ہو سکتا ہے۔ اس مایوس کُن روش کی نسبت آپ یوں آگاہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں:

- تجھ کو نظر آتی ہے کمین گاہ، نہ صیاد — درپیشِ حرم خطرہ صیہونی و الحاد

شاعر اُمتِ مسلمہ کی بدحالی کو اسلامی تعلیمات سے دوری اور تغافل شعاری کا سبب گردانتے ہیں۔ آپ کے خیال میں پیغمبرِ اسلامؐ کی تعلیمات میں صرف اُمتِ مُسلمہ کے لئے ہی نہیں بلکہ پوری دُنیا کے لئے امن و آشتی اور فلاح و بہبودی کا پیغام مُضمر ہے جس پر عمل پیرا ہونے کی اور کاربند رہنے کی ضرورت ہے۔

ایک دلپذیر واقعہ

ستمبر ۱۹۸۸ء کی بات ہے کہ راقم ایک دن قبلہ گوئی صاحب کی خدمت میں ملاقات کی سعادت حاصل کرنے کی غرض سے چلا گیا۔ اتفاق سے آپ اکیلے بیٹھے ہوئے تھے اور کسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ میں نے سلام عرض کیا لیکن آپ نے کچھ توقف کے بعد میرے سلام کا جواب دیا۔ مجھے خدشہ ہوا کہ کہیں آپ ناراض تو نہیں ہوئے ہیں لیکن آپ پھر جلدی ہی میری طرف متوجہ ہوئے اور اپنے مشفقانہ انداز میں مجھے خیر وخیریت پوچھنے لگے اور اس کے بعد کہنے لگے کہ آج دراصل مجھ پر کچھ عجیب سی کیفیت طاری رہی۔ میں نے عرض کیا، جناب ! خیریت تو ہے؟ تو فرمانے لگے کہ آج میں پورے باسٹھ سال کی عمر کو پہنچ گیا اور اب میں اس سے زیادہ جینا مناسب نہیں سمجھتا ہوں، یہ تو بے ادبی کے مترادف ہوگا کیونکہ میرے آقا دو جہاںؐ نے بھی اِس عمر کے بعد دُنیا سے تشریف لے گئے۔ آپ پھر سے سنجیدہ ہو گئے اور آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے۔ میں احساسِ ندامت سے دب کر سارہ گیا اور یہ دیکھ کر حیران ہو گیا کہ آپ کے دل میں پیغمبر رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم کی کتنی قدر و منزلت ہے اور آپ کس قدر شیفتہ رسولؐ ہیں اور اس کے بعد مجھے آپ کی زندگی کے بارے میں کچھ اور ہی تصور پیدا ہو گیا۔ یہ واقعہ میں نے بعد میں آپ کی رحلت کے کافی عرصہ بعد آپ کے فرزند محمد اسلم گونی صاحب کو بھی سُنایا۔ اُن کو بھی اس بات کا علم نہ تھا۔

غلام نبی گونی (گورگانی)

کی

شعری تصانیف

ارمغانِ کاشمیر

''ارمغانِ کاشمیر'' غلام نبی گوہرؔ کا پہلا شعری مجموعہ ہے جو اپریل ۱۹۸۴ء میں چھپ کر منظرِ عام پر آیا۔ اس شعری مجموعے کا انتساب مِلت کے نام کیا گیا ہے اور پیشِ لفظ کے نام سے جو دریچہ کُھلتا ہے وہ منظوم پیرائے میں ہے۔ یہ تقریباً سات قطعات پر مشتمل ہے جن میں شاعر کا اپنا تعارف اور آپ کے شعری موقف کے بارے میں ملے جُلے اشارے دیکھنے کو ملتے ہیں۔ شاعر اپنی فکر کے گلابوں میں یثرب کی فضاؤں کی خوشبو لے کر حاضر ہوتا ہے اور شاعرانہ تعلّی پیش کرتے ہوئے خود کو اقبالؔ کا فرزند، تلمیذِ خُدا، دلدادہ فطرت، پروردہ کُہسار اور کشمیر کا نطشے جیسے توصیفی ناموں سے پُکارتا ہے۔ شاعر ایک عقاب کی مانند محوِ پرواز ہے اور حالات کا مشاہدہ کر رہا ہے اور خود کو وادی وکوہ اور آشیاں کے سمیت اندیشہ ہائے دور و دراز کے محاصرے میں گھِرا ہوا پاتا ہے۔ وہ اپنے گلشن کی خستہ حالت دیکھ کر دست بدعا ہوتا ہے اور تمنا کرتا ہے کہ نوجوانوں کو راہِ راست پر گامزن ہونے کی توفیق حاصل ہو۔ اس پیشِ لفظ سے صرف ایک دو بند ملاحظہ ہوں:

پھیلائے گا جو نکہتِ یثرب کو عجم میں
کہتے ہیں کہ کشمیر میں اک پھُول کھِلا ہے

کیا پوچھتے ہو شاعرِ مشرق کی نسبت
اقبالؔ کا فرزند ہے، تلمیذِ خُدا ہے

شائستہ ابرار ہے یہ صاحبِ ادراک
کرتے ہیں پریشان اِسے اوہام نہ خدشے

دلدادہ خطرات ہے پروردۂ کُہسار
یہ شاعرِ بیباک ہے کشمیر کا نطشے

۱۹۲ر صفحات پر مشتمل اس شعری مجموعہ میں ۷۷ر غزلیات ۱۰ر قطعات اور ۷ر کے

قریب نظمیں شامل ہیں۔ آپ کی غزلوں میں مختصراور طویل دونوں طرح کی غزلیں شامل ہیں جن میں ایک بالغ نظر، قادرالکلام اور مُفکر سخنور بولتا ہوا نظر آتا ہے۔

گونی ایک خلاق سخنور ہیں اور اپنی غزلوں میں شستہ علامتوں، تراکیب واستعارات کا حُسن وخوبی کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔ آپ کے کلام میں ایک گہری فکری اور فلسفیانہ بصیرت کارفرما ہے، جس میں عالمی سطح پر رونما ہونے والے حالات و واقعات اور اسرار ورموز کا جامہ پہنایا گیا ہے۔ آپ ہماری ریاست کے تقریباً واحد سخنور ہیں جن کے کلام پر اقبال کے فلسفہ وفکر اور شعری اسلوب کی گہری چھاپ پائی جاتی ہے۔ کشمیر کی محبت اور قدروں کی بازیابی آپ کے کلام کا خاص محور ہے، جس کی ترجمانی آپ کے کلام میں جابجا نظر آتی ہے۔ خوداحتسابی، امن و محبت، حقوق انسانی کی بحالی اور ملی بیداری وغیرہ آپ کی غزلوں کے خاص موضوعات ہیں۔

غزلوں سے چند منتخبہ اشعار:۔

- تسبیح و دعا اپنی محرومِ اجابت ہے — گونگی سی اذانیں ہیں، بہری سی امامت ہے
- انہیں سجدہ کرتی ہے شانِ امیری — نظر جن میں آئے شکوہ فقیری
- سُن اے کشمیر، اے ارضِ جگرگیر شہہ ہمدانؒ — اسی نسبت سے تم کو دوسرا ایران کہتے ہیں

اسی طرح سے یہ قطعات:

کس کو احساس ہے اِس دور کے ہنگاموں کا
دردمندوں کی طبیعت پہ اثر کیا ہوگا
وہ جو اغیار کا محکوم رہا ہو صدیوں
اُس کا معیارِ غم و فکر و نظر کیا ہوگا

☆

صورتِ طائرِ عقاب سرشت — محوِ پرواز دائرے میں ہوں
وادی وکوہ آشیاں کے سمیت — جانے کب سے محاصرے میں ہوں

شاعر نے اپنے ایک خاص محسن عزت مآب مفتی بہاؤالدین کی علمی بصیرت کا اعتراف کرتے ہوئے اُنہیں بلیغ انداز میں خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ ''عشرت کاشمیری کی رحلت''[1] اس کتاب میں ایک اور نظم ہے جو آپ نے اپنے بزرگ اور محترم دوست عشرت کشتواڑی کی نذر کی ہے، جن کی مفارقت کو آپ ایک ذاتی المیہ قرار دیتے ہیں:

روپوش اندھیروں میں ہوا اپنی نظر سے — عشرت کا گلہ وقت سے کرتے ہوئے عشرت
کیا گزرے گی احباب پر منحوس خبر سے — اور پیکرِ اخلاص نے اتنا بھی نہ سوچا

کتاب کے آخر میں ''سادگی'' کے عنوان سے ایک اصلاحی نظم ہے جو سبق آموز ہے۔ گوتی کی غزلیات اور منظومات دونوں میں ایک زوردار اُٹھان موجود ہے جو آپ کی خاص پہچان ہے۔ شاعر کو اپنے زورِ قلم پر پورا اعتماد ہے اس لئے آپ کی نوکِ قلم سے ایسے اشعار بھی موزوں ہوئے:

اک معمہ ہے حضرت گوتی
مردِ گمنام، شاعرِ اعظم

یہ شعری مجموعہ چاند پریس جموں سے ایک سادہ گیٹ اَپ کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ قیمت صرف بیس روپیہ ہے۔ کتاب کے آغاز میں اگر مشمولات کی فہرست درج ہوتی تو قاری کے لئے اور بھی سہولت پیدا ہوتی۔ یہ شعری مجموعہ یہاں کے اُردو شعری ادب میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔

....

[1] عشرت کاشمیری کا پورا نام شیخ غلام مصطفےٰ تھا۔ آپ کے والد شیخ مجید سرینگر سے ہجرت کر کے اُتر پردیش کے ایک گاؤں میں متمکن ہوئے جہاں آپ ۲۳/دسمبر ۱۹۱۴ء کو تولد ہوئے۔ بعد ازاں اپنے لاولد چچا نے متبنیٰ بنا کر آپ کو کشتواڑ لایا اور یہیں پر آپ کی پرورش ہوئی۔ میٹرک کے بعد آپ پہلے مدرس تعینات ہوئے اور پھر بی۔ ڈی۔ او۔ کے طور پر تعینات ہوئے۔ ۱۹۶۷ء میں نوکری سے قبل از وقت سبکدوش ہو کر کانگریس کی ٹکٹ پر کشتواڑ حلقہ سے قانون ساز اسمبلی کے ممبر بن گئے۔ آپ ایک شاعر، صحافی، انشا پرداز اور مورخ تھے۔ تاریخ کشتواڑ آپ کا خاص کارنامہ ہے۔

زمزم سے جہلم تک

زمزم سے جہلم تک گوہرؔ مرحوم کی دوسری شعری تصنیف ہے جو آپ کی پہلی تصنیف کے قریباً دس برس بعد ۱۹۹۴ء میں منظرِ عام پر آئی۔ قریباً ۱۲۰ صفحات پر مشتمل یہ تصنیف آپ کی ماقبل تصنیف سے بالکل مختلف ہے اور سوائے چار یا پانچ نظموں کے مجموعی طور پر منظومات اور چند قطعات پر مشتمل ہے۔ کتاب کا انتساب ''انسانیت کے نام'' کیا گیا ہے۔

اس شعری تصنیف کا شعری منظر نامہ بہت ہی متنوع الموضوعات ہے جس میں تاریخ، فلسفہ، مسائل قضا و قدر، آشوبِ عصر، عالمی منظر نامہ، کشمیر اور کشمیر سے جُڑے مختلف موضوعات کے علاوہ کئی اور موضوعات پر مختصر اور طویل نظمیں دیکھنے کو ملتی ہیں جو آپ کے فکر و فلسفہ کی غماز ہیں۔ القصص، حضور و شہود، والعصر، خلیج فارس سے وادیٔ کشمیر تک، پرولتاری، قلابازی، مینارہ نورِ ازل، صدائے سروش، آوردہ سروش، عید اور وعید، حیدر وارسطو، پیراڈوکس، فلیسوٗف تصوّف پسند، اشتراک مغرب و مغرب، پتھر اور آئینے، خوابوں کا سوداگر، کابوس روایات، حریفِ جبرئیل، شب خیزی اور بیداری، اہلِ کشتواڑ کے نام، آبروئے میر و مہجور و غنی، امتیازِ عقل و عشق، شکست استعمار، کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی اور ناسٹرڈیمس کی پیشگوئیاں وغیرہ مختلف الانواع موضوعات ہیں۔

تصنیف کے آغاز میں ''رنج و شکایات'' کے عنوان سے ایک قطعہ درج ہے، جس میں شاعر جموں میں اپنے قیام کا تذکرہ کرتے ہیں جہاں پر آپ مشغلہ روزگار کے حوالے سے مقیم رہے، جو درج ذیل ہیں:

دل گوشہ نشیں، عقل جہاں گرد ہے میری | بے لوث نظر مونس و ہمدرد ہے میری
ہے صاحبِ غمِ شہرِ تمازت میں جفاکش | وادی نے کہا آب و ہوا سرد ہے میری

اس کے بعد حرفِ اوّل کے نام سے چار کے قریب قطعات درج ہیں جس میں پہلے تین قطعات آپ کی پہلی تصنیف سے منقول ہیں اور چوتھا قطعہ بھی اسی کتاب کی ایک غزل کا حصہ معلوم ہوتا ہے جو اُس کتاب کے صفحہ ۸۶/ پر درج ہے۔ یہ مجموعہ شعر ۲۴۵/ کے قریب مختصر اور درمیانی ضخامت کی منظومات کے علاوہ ۵/ غزلیات اور ۷/ قطعات پر مشتمل ہے جو آپ کے اسلوبِ شعر گوئی، علمی تجربہ اور دانشوارانہ فکر و بصیرت کے ترجمان ہیں۔ آپ کی تمام منظومات اگرچہ ہیت کے اعتبار سے روایتی اسلوب کی ترجمان ہیں لیکن موضوعی اعتبار سے ان میں فکر کی ایک نئی تازگی اور تابانی پائی جاتی ہے اور آپ کے ماقبل شعری مجموعہ کی طرح اس میں بھی کشمیر کا ذکر اکثر دیکھنے کو ملتا ہے:۔

وہ کوئی فلاطون ہو کہ زرتشت کہ مزدک | آوارگی مردوزن و زور کے عاشق

☆

نظرِ زبان سے الہام و علم کی دانش | میرا قصور کہ جذبات کی نمائش کی
تمام عمر میرے شہرِ آرزو، میں نے | تیرے شکستہ مکانات میں رہائش کی

(نظم: میرا مقدر)

اے تو شائستۂ میرِ حرم | ساحرِ مغرب کی نقالی نہ کر
وہ نہیں آمادۂ صلح و اماں | تو کھڑی زیتون کی ڈالی نہ کر

☆

جس انسان نے ہمت کر کے عقل سے باہر دیکھا ہے
اُس نے اوّل سے آخر تک سارا منظر دیکھا ہے

☆

وہ زبان رشکِ نوائے عندلیب　　ہے قریب المرگ اُردو شہر میں
ہوگئی خاموش تو اہلِ سخن　　ہر طرف بولیں گے الُو شہر میں

(نظم: اُردو زبان)

فریبِ دید تھا نقشِ قدآور !
حقیقت میں وہ اک بالشتیہ تھا

☆

ظلم ہے جنگ نوعِ انساں پر　　برہمن، پادری، مسلماں پر
بدنہادوں کو فخر و ناز ہے کیا　　کثرت فاقہ مستاں پر

(نظم: جنگ)

کتاب میں ترتیبِ ادارت کے کچھ تسامحات کھٹکتے ہیں جس کے سبب صفحہ ۴۳/ پر جو نظم ''تصلیبِ مسیحائی'' کے نام سے درج ہے وہ دوبارہ صفحہ ۴۸/ پر درج ہوئی ہے۔ صفحہ ۵۴/ پر جو نظم ''بے منت جبرئیل'' کے عنوان کے تحت ہے وہی صفحہ ۵۷/ پر ''کابوس روایات'' کے نام سے دوبارہ درج ہے۔ صفحہ نمبر ۵۴/ پر جو نظم موجود ہے وہ دوبارہ صفحہ نمبر ۶۸/ پر درج ہے۔ اسی طرح صفحہ ۵۷/ پر جو نظم ''صاحبِ جنوں'' درج ہے وہی دوبارہ صفحہ نمبر ۵۷/ پر ''بداعتماد عمل'' کے نام سے درج ہوئی ہے اور صفحہ ۵۴/ پر جو نظم موجود ہے وہ دوبارہ صفحہ ۶۱/ پر درج ہوئی ہے۔ یہ تسامحات دراصل مصنف کی عدیم الفرصتی اور کاتب کی ناواقفیت کی وجہ سے ہوئے ہیں۔ کتاب جموں کے سندیش آفسیٹ پریس سے اہتمام کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔ کتاب کی قیمت صرف ۷۵/ روپے ہے جو بہت ہی واجبی ہے۔

گُلبانگِ کاشمیر

''گُلبانگِ کاشمیر'' گونی صاحب مرحوم کا تیسرا شعری مجموعہ ہے جو آپ کی وفات کے قریباً دو سال بعد 1999ء میں آپ کے فرزند ارجمند جناب محمد اسلم گونی (سابق ایڈوکیٹ جنرل ریاستی ہائیکورٹ) کی مساعی جمیلہ سے اشاعت پذیر ہوا اس مجموعہ شعر کا انتساب ''مادرِ کشمیر'' کے نام ہے جو دو قطعات پر مشتمل ہے۔ پہلا قطعہ آپ کی پہلی شعری تصنیف ''ارمغانِ کاشمیر'' سے منقول ہے، جس کی تشریح پہلے ہی بیان کی گئی ہے۔ دوسرا قطعہ بھی کشمیر کی سرزمین سے متعلق ہے، جس میں شاعر یہاں کے نونہالانِ چمن کے شفاف خصائل اور یہاں کے روحانی اقدار کی جانب اشارہ کرتا ہے۔

کتاب کے آغاز میں مولف موصوف نے اپنے والدِ محترم کے بارے میں مختصر سا تعارف قلمبند کرنے کے علاوہ اس شعری مجموعہ کو منصۂ شہود پر لانے کے لئے اپنے احساسِ ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کا بھی تذکرہ کیا ہے جس کے لئے موصوف مبارک کے مستحق ہیں ورنہ یہ اہم اور نمائندہ شعری کارنامہ قارئین تک نہ پہنچ پاتا۔ عرضِ ناشر کے بعد ''ایک لہر چناب کی'' کے تحت ریاست کے نامور محقق اور نقاد جناب محمد یوسف ٹینگ کا شاعر موصوف اور اس کتاب میں شامل کلام کے بارے میں ایک ناقدانہ اور بصیرت افروز تبصرہ سُپردِ قلم ہے۔ بقولِ موصوف:

> ''گونی کی تاریخی حیثیت قائم رہے گی اور اُن کی پاک نہادی، روشن ضمیری اور بُلند فکری کی شہادت دیتی رہے گی۔ وہ سارنگ نوازی کے

تقاضے پورا نہ کرسکیں تو یہ اُن کی کوتاہی نہیں بلکہ اُن کے شوکتِ اظہار کا ثبوت ہے''۔

۳۵۷ر صفحات کی ضخامت لئے ہوئے اس ضخیم مجموعہ شعر میں آپ کے مختلف شعری تجربات موجود ہیں جن میں تقریباً ۲۴۸ر نظمیں ۱۲۵ر غزلیں، ۳۱ر قطعات اور ۱۲ر رباعیات موجود ہیں اور یہ سب اصناف ایک کلاسیکل رنگ و آہنگ لئے ہوئے ہیں لیکن موضوعی اعتبار سے بہت ہی کثیر جہات اور نت نئے العباد کی ترجمان ہیں جو آپ کی وسیع معلومات، گہرے مشاہدے اور فنی تو انگری کی ضامن ہیں۔ آپ کی منظومات میں اضطراب، رشکِ مجاہدات، مردِ اوّل و آخر، باعث زیاں انا، گرباچوف، تیاری جنگ تبوک، ابوذرؓ، تاریخ کی بڈھیا، اُردو کا انجام، عہد رفتہ، شبیرِ اعظمؓ، سرِ تعمیر جدید، روشنی کا خواب، قومِ زود فراموش، محورِ دلداری کشمیر، سراب و خواب، فلسطین اور آدھی خود مختاری، صورتِ احوال، ذوقِ نگاہ خام، دل اور عقل، وحشتِ ایجاد، شغلِ سہل انگاری، طرزِ معاشرت کی تاریخ، ضمیر تو ہم، ایثارِ لافانی، انہدام دلخراش، مادر کشمیر، حضرت بُلبُل شاہؒ، میرا پندار، کشمکشِ بیم ورجا، یوسف کے سوتیلے بھائی، ظُلمت و نور کا تصادُم وغیرہ بے شمار اور متنوع الجہات نظمیں ہیں۔ آپ ایک ماہرِ نفسیات اور دانشوارانہ فکر کے مالک ہیں اس لئے عصر حاضر کی عدیم الفرصتی کا لحاظ میں رکھتے ہوئے آپ نے زیادہ سے زیادہ مختصر نظمیں موزون کی ہیں۔ ''گلبانگِ کاشمیر'' میں غزلیات اور قطعات کا بھی ایک قابلِ قدر حصہ موجود ہے۔ آپ کی غزلیات میں ایک کہنہ مشق، معتبر اور فلسفی سخنور بولتا ہوا نظر آتا ہے۔ اخلاقی بیداری، حقوقِ انسانی کا تحفظ، سماجی اصلاح، رواداری اور ظُلم و بربریت کے خلاف ناپسندیدگی وغیرہ آپ کی غزلوں کے خاص موضوعات ہیں۔ فکر و اسلوب کے اعتبار سے آپ کے پورے کلام پر اقبالؔ کا بہت ہی گہرا اثر دکھائی دیتا ہے۔ غزلیات کے چند اشعار:۔

● اضافہ کرگیا بربادیوں میں — چھچھوار پن ہمارا شادیوں میں
کوئی میرا نہ کوئی رابعہ ہے — نئی تہذیب کی شہزادیوں میں

• تم تو چلے گئے ہو سجدوں میں — میں شہادت کی بات کرتا ہوں

☆

• میں باکمال تھا اس میں کمال کس کا تھا
میرے وجود میں جاہ و جلال کس کا تھا

• تجھ کو شعورِ وسعتِ قلب و نظر نہیں
پنہائے کائنات فقط خشک و تر نہیں
پرورش ہوتی ہے جس میں طائرِ لاہوت کی
وہ نشیمن حُجرۂ دیوار و در ہوتا نہیں
ہٹ کر نقوشِ پائے رسالت مآبؐ سے
آزادئ خیال ہلاکت سے کم نہیں

یہ ضخیم شعری مجموعہ خوبصورت گیٹ اَپ کے ساتھ، ایلی گینٹ پرنٹرس نئی دہلی کی وساطت سے شائع ہوا ہے جس کی کتابت معروف شیریں قلم کاتب رحمت اللہ رونیال کے ہاتھ سے ہوئی ہے۔ البتہ صفحہ ۱۸۵/ پر موجود نظم دوبارہ ۲۶۳/ پر غزل کی صورت میں چھپی ہے اور صفحہ ۲۰۳/ پر موجود نظم دوبارہ ۲۶۶/ پر قطعہ کی صورت میں چھپ گئی ہے۔ دراصل یہ مجموعۂ شعر مرحوم گوتی صاحب کی رحلت کے بعد شائع ہوا اور ایسا ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ مجموعی طور "گلبانگِ کاشمیر" ہمارے عصر کے اُردو شعری ادب میں ایک مردِ باخبر اور فلسفی شاعر کا ایک نادر تحفہ ہے، جس کی آئندہ آنے والے وقت میں شاید مثال ملنا بہت ہی مُشکل ہے۔

انتخابِ کلام

حدیثِ مرسل و قرآن کی تلاش مجھے
خلوصِ جرات و ایمان کی تلاش مجھے

بلالؓ و بوذرؓ و سلمانؓ کی تلاش مجھے
حبش نہ مصر نہ ایران کی تلاش مجھے

حضورو غیب کی شائستہ ذات ہو جس کی
رہے گی ایسے مسلمان کی تلاش مجھے

ہر ایک سمت اپاہج گداگروں کے ہجوم
رہی ہے کن میں دل و جان کی تلاش مجھے

ہرات و کابل و قندھار سے نہ پہنچائے
بلادِ روس میں افغان کی تلاش مجھے

مجھے تشویش لاحق ہے کہ مشرق کی زمینوں سے
نکالا جارہا ہے تیل مغرب کی مشینوں سے
یہی ہے اب زبانِ بندگانِ حق شناسا پر
خدا سمجھے وطن کے صاحبِ ثروت کمینوں سے
نہیں اہلِ جنوں کوئی شکایت ہے بیاباں کو
کہ بازی لے گئے اہلِ ہوس صحرا نشینوں سے
زبوں تھی گردش جامِ جم و خرچنگِ مطرب سے
فزوں ہے رونقِ محفل دِلوں کے آبگینوں سے
یہ دورِ علم و دانش ہے کہ پتھر کا زمانہ ہے
دلوں کے ٹوٹ جانے کی صدا آتی ہے سینوں سے
ارادت واعظ و ملا و قاضی سے ہے لوگوں کو
انہیں پہچانتا ہوں میں، مجھے نفرت ہے تینوں سے
غلاموں کو فریب ہم نشینی دے کے سُلطانی
چڑھا کر پھر گرادیتی ہے نادانوں کو زینوں سے

گریزاں محمدؐ کے نقشِ قدم سے
تمہیں کیا ملے گا طوافِ حرم سے

خبر کون لایا ہے پھر اُس جہاں کی
کوئی لوٹ آیا نہ ملکِ عدم سے

یہ دنیا بہت بے حیا ہے کہ اکثر
بُرے کام لیتی ہے اہلِ ہمم سے

زوالِ حکومت ہے پنہاں اسی میں
کہ مضبوط ہوتی ہے جبر و ستم سے

ہیں پامال خلقِ خداوند جیسے
کہ ہوں مقتدر لوگ اندھے جنم سے

معلم گئے، بوالعجب رہ گئے ہیں
کتابوں میں علم و ادب رہ گئے ہیں

غزالی نہ عطار و رومی نہ رازی
حرم میں تو جاہلِ عرب رہ گئے ہیں

نہ جذبِ مروّت نہ ذوقِ مدارا
طبیعت میں غیض و غضب رہ گئے ہیں

یہ مانا کہ امداد کی دوستوں نے
مگر قرض کتنے ارب رہ گئے ہیں

خبر کِس کو تفسیرِ 'والعصر' کیا ہے
زمانے میں بس روز و شب رہ گئے ہیں

مآلِ دشت نوردی سے بے خبر بھی نہیں
یہ انتہا کہ غمِ توشۂ سفر بھی نہیں

جنوں نہیں تو مقاماتِ بحر و بَر بھی نہیں
تیری قبا پہ ابھی گردِ رہ گزر بھی نہیں

خردِ شعورِ علاماتِ خیر و شر بھی نہیں
سمجھ سکی جو اشاراتِ چشمِ تر بھی نہیں

ہر ایک سمت بہت دل خراش منظر ہیں
میری تمام نظر تیرے حُسن پر بھی نہیں

یہودیوں کی نگاہِ حریص طائف پر
سعودیوں کا اثر مصر و شام پر بھی نہیں

نظیر جنتِ کشمیر میری نظروں میں
فرنگ و زنگ و بدخشان و کاشغر بھی نہیں

سُن اے سکندرِ نوخیز داستانِ حرم
یہ عشق و عقل کا اعجاز عرش پر بھی نہیں

کسی مسیح کی آمد قریب ہوتی ہے
قدم قدم پہ نمایاں صلیب ہوتی ہے

اُداس جیسے قیامت قریب ہوتی ہے
حیاتِ اہلِ نظر غم نصیب ہوتی ہے

لبِ مسیح پہ اِک آہِ سرد و کرب انگیز
وہی صدائے شکستِ صلیب ہوتی ہے

سکون بخش ہے اس کی حقیر سی شے بھی
غریب لوگوں کی دنیا عجیب ہوتی ہے

بخیل مرد جو ہوں وقت کے ولی نعمت
غریب قوم نہایت غریب ہوتی ہے

نہ پوچھ بہرِ خُدا حال کچھ طبیعت کا
تیری دوا سے مکدر طبیب ہوتی ہے

بوعلی ہے نہ کوئی رازی ہے
مردِ بیمار سا نمازی ہے
سرفروشی نہ سرفرازی ہے
کیا یہی یادگارِ غازی ہے
درس و تلقینِ مصلحت کیا ہے
یہ تو خالص زمانہ سازی ہے
اے دریدہ دہن خطا کارو
کیا سیاست زباں درازی ہے
عقل سے کیمیا گری ہوگی
یہ ابھی عہدِ خاک بازی ہے
آپ ہندی نژاد ہیں گوئنؔ
دِل مگر آپ کا حجازی ہے

❖

دم بخود محفل کو تابِ لب کشائی چاہیئے
اس اندھیری رات کو شعلہ نوائی چاہیئے

چاہیئے انسان کی جتنی بھلائی چاہیئے
اِس ضرورت مند کو ساری خدائی چاہیئے

بخش دو اہلِ جنوں ان کو قبائے ریشمی
اہلِ مذہب کو عبائے پارسائی چاہیئے

پیش کرتے ہیں صفائی آپ اپنے جُرم کی
بے گناہی کے لئے دل کی صفائی چاہیئے

جاگزیں اس میں نہیں فرمودۂ ختم الرسلؐ
دِل کو فرسودہ عقاید سے رہائی چاہیئے

بے شعورِ منزلِ مقصود آوارہ نظر
اِس قیادت کو کسی کی رہنمائی چاہیئے

بداعتماد عقل

اپنا طریق پیرویٔ غزنوی نہیں
پھر بھی اَنا بتوں کو خدا مانتی نہیں

صد شکر اپنے شہر کی شائستہ بیٹیاں
خونِ جگر رنگِ حنا مانتی نہیں

مامور ہیں سفیر علاماتِ زندگی
شکی طبیعتیں ہمیں پہچانتی نہیں

زندہ ہے کاشمیر میں اک صاحبِ جنوں
بداعتماد عقل اُسے جانتی نہیں

☆

قطعہ

غریب ملّت بیضا دیارِ یثرب میں
اثاثہ ہائے خداداد گنجِ مغرب میں

مشیر بندۂ فرمانِ جورِ مردانی
نہیں ہے جرأت بُو ذر کسی مصاحب میں

☆

کابوس روایات

محتاجِ اتالیق نہیں دل کا سکندر
بے منتِ جبریل، مراعشقِ پیمبر

ہے میرا جنوں منکرِ ادراکِ ارسطو
صحرا میں ہے بے کار خردمندیٔ رہبر

کابوسِ روایاتِ سلف ٹوٹ رہا ہے
تخریبِ مقامات، حجابات سے بہتر

نُماید رُو دراں صاحب گلیمے
براہیمے، سرائیلے، کلیمے

مہ و خورشید و زہرا و ثریا
نقوشِ پائے آں درِّ یتیمے

جہانِ رنگ و بو شاداب گردد
چوں برخیزد ز کوئے او نسیمے

دعائے ایں فقیرے خوشنوائے
دِلے، نگہے، صراطِ مستقیمے

عجب قحط الرّجال ایں جافتادہ
نظر آید رقیبے نہ ندیمے

فزون و تازہ از عشقِ محمدؐ
غم و افکار ایں مَردِ کلیمے

بہ اذنِ حضرتِ اقبالؒ گوئی
دگر درپیش تو کارِ عظیمے

جس کو دورِ جدید کہتے ہو
اک عذابِ الیم لائے ہو
اور بزعمِ و خیال خود ناداں
انقلابِ عظیم لائے ہو
قرض لائے ہوئے دوستوں سے مگر
ساتھ کتنے منیم لائے ہو
ہے شکوہِ سخن کلیمانہ
ساتھ چوب کلیم لائے ہو
تم یہ کس بتکدے سے اے گوئی
شوقِ طوفِ حریم لائے ہو
کس چمن سے چلے ہو مردِ خدا
ساتھ بادِ نسیم لائے ہو

○

خواب، معراج کے مصداق نہیں ہوسکتا
توسنِ فکر تو براّق نہیں ہوسکتا

کون بے غیرت اسلام وطن دشمن ہے
یہ مسلمان کا اخلاق نہیں ہوسکتا

یہ سلحشور تو دلداہ ہیں ہتھیاروں کے
جن کی تخفیف کا میثاق نہیں ہوسکتا

قرض جو پیش کیا جاتا ہے اِمداد کے طور
ہے بلا سود تو بے باق نہیں ہوسکتا

❖

رودادِ خلوت

خوں نابہ بار و شُعلہ بداماں ترے لئے
اک شخص مثلِ شمعِ فروزاں ترے لئے

جس کی دعائے خیر سے پیدا ہیں جابجا
زیدؓ و بلالؓ و بُوذرؓ و سلماںؓ ترے لئے

شائستۂ حُسینؓ ہے، کرتا نہیں قبول
امن و سکونِ شہرِ خموشاں ترے لئے

موضوعِ فکر شعروسخن، صبح و شام و شب
فصلِ بہار، صحنِ گلستاں ترے لئے

ہے اُس کے اَشک و آہ میں فردائے کاشمیر
آب و ہوائے جنتِ رضواں ترے لئے

گوئی مثالِ نکہتِ گلزارِ خُلدِ رشک
رہتا ہے صبح و شام پریشاں ترے لئے

کوششِ رائیگاں

سن اے مشکل کشائے عصرِ حاضر
تری کوشش ابھی تک رائیگاں ہے
وجودِ ماہروئے زندگی سے
نقاب اُترا، مگر چہرہ کہاں ہے

☆

نماز

یہ ماجرا ہے دل و روحِ فقر آئیں کا
نماز حوصلہ دیتی ہے شیر و شاہیں کا
سلاح وساز، مہماتِ دو جہاں کے لئے
شکوہ، سورتِ اعراف و فتح و یاسیں کا

☆

حریفِ جبرئیلؑ

کہہ رہا تھا بے خودی میں شب کو اک مردِ عقیل
روحِ آدم ایک دن ہوگی حریفِ جبرئیل
کارِ پیرانِ کلیسا شوقِ تحریفِ زبور
دیو مالا بن گئی ہے عظمتِ کارِ خلیلؑ
حیص بیص ناسزائے کیشِ تثلیث و حلول
کرگئی ہے فکرِ انسانی کو معذور و علیل

❖

غزل

سُراغِ منزلِ مقصود میرے خواب میں ہے
مری نظر کی وصیت میری کتاب میں ہے

وہ نُور دیدۂ کشمیر چاہیئے جو تجھے
چراغ خانقہِ سبطِ بوتُرابؓ میں ہے

اجل گرفتگی زندگی کہن سالی
تمام تحفگی آرزو شباب میں ہے

جو ہمکنارِ مقامات ہے پیہم
وہ عزم راہِ سفر جہلم و چناب میں ہے

مرا سکوں، مری راحت، مری تنکتابی
شُعاعِ ماہ نہ سورج کی آب و تاب میں ہے

غضب ہے قربِ قلندر سے تیری محرومی
ترا وجود ابھی ورطۂ حجاب میں ہے

کُشادِ رمز و معارف ہے رائیگاں تجھ پر
ترا خیال ابھی صورت و شراب میں ہے

خدا نصیب جوانانِ کاشمیر کرے
جو شرم و غیرتِ دل نرگس و گلاب میں ہے

تمھیں جو راحتِ منزل سے آشنا کردے
وہ ساز و برگِ سفر میرے اضطراب میں ہے

❖

غزل

تری نگاہ تو محدود آسماں تک ہے
غُبارِ راہِ مقاماتِ لامکاں تک ہے

متاعِ مال و منالِ جہاں سے بے زاری
خلوصِ نیتِ ایثارِ نقد جاں تک ہے

فجورِ دیر و کلیسا ہزار پردوں میں
ابھی نظر کی رسائی چراغ داں تک ہے

غبارِ خاطرِ اہلِ جنونِ دشتِ نورد
سوادِ وسعت و پنہائے خاک داں تک ہے

شبیرِ اعظم

حاصلِ دُنیا و دیں اس کا قیام، اس کا سجود
ہے محیطِ دوجہاں شبیرِ اعظم کا وجود
پھیلتی جاتی ہیں فقرِ خانقاہی کی حدود
سدِّ راہِ منزلِ احرارِ مسجد کا جمود
منت یک غمزۂ اقبالؒ ہے میرا شہود
ورنہ کیا یہ بندۂ کنگال، کیا نام و نمود
ہم دلِ و ہم دوش، صف در صف مسلماں کے خلاف
رزم آرا کفر و الحاد و نصاریٰ و یہود
نرم گردن اُردن و مصر و دمشق و لیبیا
بے شکوہِ زندگی، افگندہ سم آلِ سعود
بارگاہِ عشق میں کیا خاک ہوں گے مُستجاب
ذِکر میں فکرِ غنائم ہے دعاؤں میں کنود
مَدحِ غیر اللہ سے اِنکار ہے جس کا شعار
ایک اُمّت کے برابر اُس مسلماں کا وجود

غزل

عقل کا سارا سفر باقی ہے نقطہ گاہ تک
کون پہنچا ہے ابھی تاثیرِ بسم اللہ تک؟

کارزارِ کربلا، مافی الضمیرِ داستان
صورتِ دینِ متین، سبطینِ اسد اللہ تک

ہوگیا رخصت دِل شائستۂ شیرِ خُدا
عقل و دانش گر گئی جب حیلۂ روباہ تک

روحِ آدم شکوہ سنج، بے نیازی صبح و شام
کون پہنچادے میرے جذبات کو اللہ تک

❖

عشقِ رسولؐ

آفرینش کی مُراد عشقِ رسولؐ
تاقیامت زندہ باد عشقِ رسولؐ
احتشامِ انفراد عشقِ رسولؐ
ساز و برگِ انعقاد عشقِ رسولؐ
صحنِ کعبہ کی سواد عشقِ رسولؐ
قصرِ ایماں کا عماد عشقِ رسولؐ
کربلا کی روئیداد عشقِ رسولؐ
دعوتِ فقر و جہاد عشقِ رسولؐ
دشمنِ بغض و عناد عشقِ رسول
دافعِ جنگ و فساد عشقِ رسولؐ

حضرت بُلبُل شاہؒ

ننگِ دینِ مُصطفےٰ پیرو مرید
ایں زماں را احتیاجِ بایزیدؒ
لازم آید توبۂ گنہِ نصوح
اے غریقِ غفلتِ شام و صبوح
فاش گویم اے فقیرِ خانقاہ
تو اسیرو فقرِ تُو گُم کردہ راہ
چارۂ حالِ زبونِ کاشمیر
بُلبُلے آمد درونِ کاشمیر
موطنے او دشتِ بے آب و گیاہ
دَر پناہ آمد شہِ عالم پناہ
شاہ رنچن تاجدارِ جنگجو
بے سکون و بے قرار و زَردرُو
خوانداو را آیت ”لا تقنطو“
مستِ شد بے منتِ جام و سبو

❖

پہلی دید

ہر نفس شامِ غزل اِس رات کا
بے نیازِ ساز و آواز و اَدا
حُسنِ رشکِ ماہتاب و آفتاب
سامنے آراستہ پیراستہ

❖

دُعا اور اِذنِ انتظار

دُعا قبول ہوئی، اِذنِ انتظار ملا
میں موت مانگ رہا تھا تو انکسار ملا
کبھی تو میرے شبستاں میں بھی وہ آجاتا
جو حُسن مجھ کو سرِ راہ بار بار ملا

❖

غزل

عقل سے طوفِ حریمِ دِل اگر ہوتا نہیں
پھر یہ کیا شکوہ کہ معراجِ نظر ہوتا نہیں

پرورش ہوتی ہے جس میں طائرِ لاہوت کی
وہ نشیمن حُجرۂ دیوار و در ہوتا نہیں

لرزہ براندام ہوں جس کے جنوں سے خشک وتر
اس کا دامن کیسۂ لعل و گوہر ہوتا نہیں

تیرے اظہارِ غمِ دل کا یقیں مشکل کہ تو
ایک پتھر ہے جسے دردِ جگر ہوتا نہیں

اہلِ دانش کو کہیں مِلتا نہیں اس کا سراغ
جس مسافر کو غمِ زادِ سفر ہوتا نہیں

❖

پامردِ صحرائے عرب

صف آرا یک دِل و جاں قوتِ الحاد و نصرانی
فقط پامردِ صحرائے عرب احرارِ بغدادی

مِلی ہے صاحبِ اخلاص و ارشاد و فراست کو
حریفوں سے دِل آزاری، مسلمانوں سے مایوسی

خُدا کے نام سے منسوب درگاہ و کلیسا میں
عبادت یا ضرورت مند اِنسانوں کی سرگوشی؟

عرب میں خیمہ زن ہیں کِس مجوسی کی اجازت سے
حرم کی پاسبانی کے لئے افواجِ افرنگی

❖

آبروئے حُسنِ خلاقی رہے
عزتِ نفسِ دانا باقی رہے
رزم آرا ظلم سے انصاف رہے
جاری و ساری یہ ناچاقی رہے

❖

کوائفِ کشمیر

رائیگاں جُستجو، عرق ریزی
رہنِ افلاس دِل کی زرخیزی
دشمنِ قلب و جاں ''ہنر مندی''
ریزہ کاری و رنگ آمیزی
لہجہ و صرف و نحوِ کشمیری
روزمرہ تمام انگریزی
غیر کے سامنے سُبکساری
ہم نژادوں کے ساتھ چنگیزی
لوگ ہیں مُبتلائے بے خوابی
میں سمجھتا تھا اس کو شب خیزی
چاہیے رُوحِ عصر گوئٹے کو
کوئی ہمزاد مثلِ تبریزیؒ

کون ہے جس کو دِل دیا جائے
کِس پہ قربان سر کیا جائے

وقت ہے صبر آزما لیکن
صبر کے بعد کیا کیا جائے

وہ جو یاد آئیں اُن کی جانب سے
زیر لب مُسکرادیا جائے

میکدے کی یہ اَبتری توبہ
زہر کا جام پی لیا جائے

موت سے انتقام لینا ہے
دوستو شان سے جیا جائے

○

میرے لئے سبزۂ روش اس کا نرم کمخاب و پرنیان سے
ہے خار و پرکاہِ گلستاں بھی عزیز تر مجھ کو آشیاں سے
اسے مدارات کا گماں ہو رہا ہے صیاد کی ہوس پر
چمن کو لاحق عظیم خطرہ ہے ایسے نادان پاسباں سے
فریبِ آسائشِ نشیمن دیا گیا عندلیب تُجھ کو
قفس کے دیوار و بام لائے گئے ہیں آثارِ آشیاں سے
حیاتِ غم آشنائے دردِ فراق کا ایک ایک لمحہ
طویل تر خضرِ محترم ہے درازیٔ عمر جاوداں سے
قدیم رسم و رواجِ الفت کا پاس ہے اب بھی مجھ کو ورنہ
میں توڑ دیتا غرور تیرا صنم تیرے سنگِ آستاں سے
انہیں عفونت سمجھ رہے ہیں اگر یہ ان کی مجال ہوتی
امیر اِنسان نکال دیتے غریب لوگوں کو دوجہاں سے

❖

گلہائے عقیدت

گونی مرحوم کی یاد میں

کیا ہوا خاموش گونیؔ، ہوگیا خُلد آشیاں
وہ کہ تھا فخرِ سخن، فخرِ وطن، فخرِ زماں

اک عظیم انسان، دانشور، نڈر قانون داں
شاعرِ شاہیں صفت، آتش نفس، شعلہ بیاں

پیکرِ فہم و فراست، وہ فصیح و تر زباں
علم و دانش کا تھا اک بحرِ بسیط و بے کراں

بے نیازِ اقتدار و جاہ و حشمت ہی رہا
کرسکا اس کو نہ زیرِ دام کوئی حکمراں

اس کے اندازِ تکلّم اور خطابت پر نثار
آبشاروں کا ترنُم، شوکتِ آبِ رواں

اپنے پیشے میں چمکتا تھا وہ سورج کی طرح
محفلوں میں جگمگاتا تھا وہ مثلِ کہکشاں

اس کا دل انسانیت کے درد سے معمور تھا
مضطرب رہتا تھا اکثر صورتِ برقِ تپاں

اُس نے بخشا تھا یہاں اہلِ قلم کو حوصلہ
بس یہی اک شخص تھا بے لوث، مخلص، قدرداں

حیف! یہ بزم ادب محرومِ محسن ہوگئی
اب نہ آئے گا نظر وہ سرپرست و مہرباں

رونقِ محفل وہی جانِ محفل بھی وہی
اب فسردہ دِل کو گرمائیں گی کس کی شوخیاں

اُس کے جانے سے ہوئے مغموم اے تنویرؔ سب
اہلِ دل، اہلِ نظر، اہلِ ہنر، اہلِ زباں!

☆......بشیر بھدرواہی

یادِ گوٗنی

کھٔزان چھےٚ ٹوٗپ کیاِ زِسَن یہِ مسوٗل رِوان چھُ شبنم، گلَن چھُ ماتم
چھےٚ برٛہمی رِکِھ یہِ محفلن از کمن سَنا روو ٹوٗٹھ ہَمدم

چَمن سِیاہ، پوش بَرٕ گئے، خموش سپدِ نوائے بُلبُل
ملوٗل امجد، رِواں چھُ اشرف، چھُ ماتمس منٛز گلان یہِ اسلم

یتیٖمن غریبن شفیق راوان، ہتَمن ژٕرے پزاران چھےٚ حوٗرِ سور گچھ
اُمیر دِلہٕ کمن فقیرِ بنٛدن یتیٖمن تہِ لَم لَم، ہتمن تہِ لَم لَم

چھُ آبہٕ جوین یہِ شین آگُر قلندرَن کٔیت سیٖکیٖل سراباہ
سفید سنگر بَنان چھِ جہلم، شعوٗرِ والین وزان چھہ زم زم

شرٛ پاں چھُ خاکس اَندر یہِ میٖرٕ موٗر، اصول روزان چھہ جاوِداٗنی
دِواں چھُ کم برٛم یہِ دارِ فانی، یِواں چھہ کم کم گژھاں چھہ کم کم

بےٚ نوٗر شمعن چھ گاشراوان ژھیوتھ تہٕ بڑٕ ملکی حسین تارکھ
رسا تہٕ احقر، وفا تہٕ گوٗنی، ورد تہٕ نِگہت، اسعد تہٕ بالم

عظیم شاعر، رفیقِ صادق، وکیلِ کامل، ادیب ماہر
اُکس رۄژس منز کھٹتھ بظاہر، زوٗال چھ کم کم، مَران چھ کم کم

گژھان چھ سوےٚ جنان سہ گوٗنی یمس غلامِ نبی وَنان اُسی
کربس شفاعت رسولِ اکرمؐ، تمس حِسابک سَنا چھُ کیاہ غم

گرٛنس ژےٚ ہرتھ دِتھ ژےٚ کوس وَتھ، حسین وٹنچ مٔتھے ژےٚ کوٚ وَتھ
کتیٚ سا اَیہ ژےٚ میٚژ مقدر، وُچھان ژےٚ روٗدے پٔنن یہ میٚژٕ لَم

کشیرِ ہُند ارمغاں لیٚکھتھ گو وَنے بہٕ کم کم سوخن وٕنتھ گو
بشیرِ اَندریم سہ دود تمی سُند کراں چھ وِزِ وِزِ مےٚ چشمہٕ پُرنم

☆……منشور بانہالی

یادِ گوؔنی

مردِ خود آگاہ، گونی گورگانی چل بسا / خطۂ کشمیر کا اقبالِ ثانی چل بسا

اُنجمن تھا فکر و دانش کا وہ اپنی ذات میں / نُور پھیلاتا رہا وہ عرصۂ ظلمات میں!

وہ کہ جو ہوش و خرد کا اک جہانِ طور تھا / خودنمائی کے علائق سے جو کوسوں دور تھا

وہ تدبُر، وہ تفکر اور وہ شائستگی / وہ فقیرانہ ادا جس پر فدا تھی خواجگی

ماہرِ قانون، دانشور، فضیلت مآب تھا / مادرِ کشمیر کا وہ گوہرِ کم یاب تھا

وہ سراپا جذبہ ایثار کی تفسیر تھا / دل کی ہر دھڑکن میں جس کی بولتا کشمیر تھا

کس قدر درد آشنا تھا شاعرِ روشن ضمیر / کوئی تو پڑھ لے کہ کیا ہے ''ارمغانِ کاشمیر''؟

قُلزم آسا تھے سراسر اُس کے افکارِ جمیل / موجزن ''زمزم سے جہلم تک'' مثالِ سلسبیل

تیرگیِ شب کی بے نوری کو وہ سہتا رہا!! / صحنِ گلشن میں وہ ''گلبانگ'' سحر دیتا رہا

ظاہر و باطن میں وہ آئینۂ تمثال تھا / کسبِ فکرِ شعر میں تلمیذۂ اقبال تھا

عمر بھر کرتا رہا وہ ترجمانی چل بسا / اک فقیرِ خوش نوا، جنت مکانی چل بسا

❖

Ghulam Nabi Goni Gorgani

(Monograph)



Authored by

Manshoor Banhali

J & K ACADEMY OF ART CULTURE & LANGUAGES

Designed by: Adil Ismail

CHIEF EDITOR URDU
M. ASHRAF TAK

Published By:
J&K ACADEMY OF ART, CULTURE & LANGUAGES
SRINAGAR/JAMMU

Printed at Government Press, Srinagar